میری یادیں
مصنف: ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی

ڈاکٹر ایس۔ایم۔اشرف
میری یادیں
میری یادیں
تحریر: الحاج ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی

کتاب:..............میری یادیں

مصنف:..............الحاج ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی

کمپوزنگ:..........گرافکس ان، کراچی۔

سال طباعت:..........2007ء......(۱۴۲۸ھ)

ایڈیٹنگ و پروف ریڈنگ:..........سیّد طاہر اشرفی سمنانی

معاون پروف ریڈنگ:.......... حافظ محمد رفیق اشرفی سمنانی

تعداد:.......... ۵۰۰

قیمت:.......... ۱۰۰ روپے

پبلشر: مکتبہ سمنانی، فردوس کالونی، کراچی، پاکستان۔

تاثرات

(الف) آئینہ اشرف

از: پروفیسر مجید اللہ قادری

(شعبۂ پیٹرولیم ٹیکنالوجی جامعہ کراچی و جنرل سیکریٹری
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضاؒ انٹرنیشنل پاکستان)

خاندانِ سادات اشرفیہ جیلانیہ کچھوچھا شریف کے روحانی پیشوا بدرِ اشرفیت الحاج ڈاکٹر شاہ سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہ العالی ہمارے اسلاف کا آئینہ ہیں اور آپ نے اپنی نئی تخلیق ''میری یادیں'' لکھ کر جدوجہد آزادی پاکستان میں علمائے اہلسنّت اور علمائے کانگریس دونوں کو آئینہ اشرف میں پیش کیا ہے، دیکھنے والے اور پڑھنے والے اس آئینہ میں حقیقت کو خود دیکھ لیں۔

احقر کے حضرت ڈاکٹر مظاہر اشرف صاحب سے پچھلے 12-10 سال سے مراسم ہیں۔ احقر سے آپ کی محبت وشفقت ہمارے اسلاف کا آئینہ ہے۔ راقم یہاں چند سطور میں حضرت کے اس آئینہ کا ذکر کررہا ہے جس میں آپ پاکستان

بننے کی تاریخ اور اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کی مدد کی جانے والی روحانی قوت کا مطالعہ کریں گے۔ بلاشبہ یہ آئینہ (بصورت میری یادیں) بالکل صاف و شفاف ہے۔ نہ اس میں دھندلا پن اور نہ شگاف اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی بھدا پن۔ یہ آئینہ ایسا ہی ستھرا ہے جس طرح ایک مومن کا دل غلاظتوں سے پاک وصاف ہوتا ہے۔

مبلغ اسلام حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب نے اس آئینہ میں 1945ء تا 2007ء کی اجمالاً تاریخ دکھائی ہے۔ کاش کہ ایسے آئینے قیامِ پاکستان اور اس کے بعد جلد قوم کے سامنے پیش کر دیئے جائے تا کہ عوام الناس پاک و ہند کے کانگریسی علماء بالخصوص موجودہ پاکستان کے خطے سے تعلق رکھنے والے کانگریسی علماء کی اسلام دشمن اور پاکستان دشمن سازشوں سے مکمل آگاہ ہوجاتے اور ایسے ملکی و دینی شرپسندوں کو اسلام کے نام پر پنپنے نہ دیتے اور شاید لال مسجد (اسلام آباد) جیسے واقعات اس ملک میں وقوع پذیر نہ ہوتے۔ ڈاکٹر مظاہر اشرف صاحب نے بھی بادشاہی (لال) مسجد دہلی سے لے کر بادشاہی (لال) مسجد لاہور تک کی تاریخ کا آئینہ دکھایا ہے مگر یہ کتاب لال مسجد اسلام آباد سے پہلے ختم ہوگئی کیونکہ یہ کتاب اس واقع سے قبل مکمل کر لی گئی تھی۔

حضرت قبلہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''میری یادیں'' ایک ایسی سچی داستان اور تاریخ ہے کہ اس کتاب کو لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے مفت اسکول، کالج،

جامعات، مدارس اور حکومتی اداروں تک پہنچائی جائے تا کہ آنے والی نسل کو تاریخ پاکستان کی جدوجہد کی اصل کاوشوں سے آگاہی ہو اور آئینہ کا شفاف پہلو ان کے سامنے ہوتا کہ تاریخ سچ بتا سکے۔ کتاب کا ایک ایک پیراگراف حقیقت پر مبنی ہے مگر راقم یہاں دو مختلف پیراگرافوں سے مختصر اقتباسات پیش کریگا، تا کہ آئینہ اشرف سے آپ مشرف ہوسکیں۔ ان پیراگرافوں میں ان پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے کہ جب کانگریسی علماء نے تحریک پاکستان کی سخت مخالفت کی۔ قائداعظم کو کافر قرار دیا گیا اور پاکستان دشمن عزائم کے سامنے انہوں نے اسلام کا پرچم بھی تار تار کر دیا اور اسلام کے مقابلے میں ہندوؤں اور انگریزوں کا ساتھ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہندوؤں اور انگریزوں کے ذریعہ ان کو رسوا کیا۔ آیئے اس آئینہ میں کانگریسی علماء کا کردار اور رسوائی دیکھیں۔

''تقسیم برصغیر کے بعد جب ایک مرتبہ مولوی احمد سعید دہلوی نے سردار پٹیل سے کہا کہ ہم نے کانگریس کی بہت خدمت کی ہے اور پاکستان بننے کی مخالفت میں بہت کام کیا ہے۔ تو سردار پٹیل نے جواب میں کہا: مولوی صاحب تم نے کیا کمال کیا، تم نے پیسہ لیا اور کام کیا ہم پر کیا احسان کیا تم کو تمہارے کام کی مزدوری مل گئی۔''

قارئین کرام کیا یہاں یہ بات صادق نہیں آتی کہ دین کو درہم میں بیچنے والے ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ برصغیر میں کانگریسی علماء نے اہل کتاب کے علماء کی طرح سکوں میں دین کو بیچا۔ ملاحظہ کریں کانگریسی علماء کیلئے آیت قرانی:

ان الذین یکتمون مآ انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمناً قلیلاً.

(البقرہ)

ترجمہ: ''وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اُتاری کتاب اوراس کے بدلے ذلیل قیمتیں لیتے ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ خداوندی ہے:

ولاتشترو اباٰیتی ثمناً قلیلاً و ایای تفقون. (البقرہ)

ترجمہ: ''اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لواور مجھ ہی سے ڈرو۔''

ڈاکٹر صاحب اپنے مندرجہ بالا پیراگراف کے بعد تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ان کانگریسی مولویوں کو اللہ نے دکھادیا کہ ان کا ہندو ملک میں کیا مقام رہا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ دیوبندی اور کانگریسی مولوی پاکستان بنانے کے بدترین مخالف تھے، لیکن اب پاکستان میں بے انتہاء فوائد حاصل کرنے کے باوجود یہ ملک (پاکستان) کے ہنوز مخالف ہیں۔ کچھ عرصہ قبل مولوی فضل الرحمٰن ابن مولوی مفتی محمود نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ **ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔**''

راقم خیال کرتا ہے کہ لال مسجد اسلام آباد کا واقعہ اسی پاکستان مخالف اور اسلام دشمن عزائم اسلام کی آڑ میں تسلسل ہے کہ انہوں نے اسلام کے قلعہ پاکستان میں اسلام اور افواجِ پاکستان کے خلاف محاذ آرائی اور اسلام آباد کو لال رنگ میں

رنگ کر اسلام اور پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر مظاہر اشرف صاحب نے مندرجہ اقتباس میں پاکستان کی موجودہ ترقی کا جو نقشہ کھینچا ہے اور حقیقت بیان کی ہے وہ ایک سچے مسلمان اور پاکستانی ہونے کی دلیل ہے اور یہ دلیل ایک عالم، مبلغ، شیخ طریقت کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے جبکہ کچھ لوگ آج بھی پاکستان میں رہ کر پاکستان کی برائیاں کرتے ہیں۔ آپ کی دلیل ہی سچائی ہے کیونکہ آپ کے والد قطب ربانی شاہ سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی ؒ اور دادا حسین اشرف الجیلانیؒ اور روحانی پیشوا حضرت پیر سیّد علی حسین الاشرفی الجیلانیؒ اور محدث اعظم ہند سیّد محمد کچھوچھویؒ جیسے سچے اور صالحین افراد ہیں اور جن کی جدوجہد آزادی پاکستان میں عظیم کارنامے اور قربانیاں ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان نے بہت ترقی کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پاکستان نے بے انتہاء لٹائی پٹائی کے باوجود ہندوستان سے زیادہ ترقی کی ہے وہ اس طرح کے ہندوستان کو ہر چیز بنی بنائی ملی، جمی جمائی ملی جبکہ پاکستان کو نہ اس کے حصے کا پیسہ ملا، نہ اسلحہ، اور پورے ملک میں نہ کوئی قابل ذکر صنعت تھی نہ دفاتر میں کرسی، میزیں، نہ کاغذ نہ قلم، اوپر سے 80 لاکھ مہاجرین کو قتل و غارت گری کے بعد ادھر دھکیل دیا گیا تھا۔ ملک کے پاس تنخواہ دینے کو پیسے نہ تھے۔ ان حالات میں آج پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے۔ صنعت و حرفت میں ترقی کی ہے ملک میں الحمداللہ بہت کچھ بنتا ہے۔ ایکسپورٹ امپورٹ میں کافی آگے بڑھ چکے ہیں۔ ٹیکسٹائل میں

ہندوستان سے کہیں آگے ہیں۔''

اس کتاب کے مطالعہ کے دوران مجھے خطاب آل انڈیا سنی کانفرنس (1945-1947ء) مرتبہ مولانا محمد جلال الدین قادری کی تفصیلات ذہن میں گھومتی رہیں خاص کر حضرت مظاہر اشرف مدظلہٗ کے پیر گھرانے کے ایک عظیم محدث شاہ سیّد محمد کچھوچھوی کے خطبہ صدارت (آل انڈیا سنی کانفرنس بمقام بنارس 24 تا 27 جمادی الاوّل 1365ھ، بمطابق 27 تا 30 اپریل 1946ء) کے الفاظ بار بار ذہن میں گھومتے رہے جس میں آپ نے لفظ پاکستان کی تشریح بھی بتائی ملاحظہ کیجئے، اقتباس کا ایک حصہ ''میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے۔ ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ کا وطیرہ بن گیا ہے۔ درودیوار پر پاکستانی زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے، نعروں کی گونج میں پاکستان لے کر رہیں گے، مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے اور ہم سنیّوں کا بھی یہ ہی محاورہ ہوگیا''۔

لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے لفظ پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمان اس کا ذمہ دار ہے لیکن جن سنیّوں نے لیگ

کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے۔

اگر سنیّوں کے اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہ کرے گا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اُصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو۔
(آل انڈیا سنی کانفرنس صفحہ 21 تا 23)

آخر میں اسی کتاب سے دو منظوم نظمیں نقل کر رہا ہوں تا کہ جذبہ جدوجہد آزادی ہماری نئی نسل سمجھ سکے اور اس ملک کی قدر کرے۔

قطعہ تاریخ پاکستان

1- تاریخ اساس نیک پاکستان......14 اگست 1947ء

2- کنتم خیرامہ......27 رمضان المبارک 1344ھ

ہوا قائم جو پاکستان آخر
بھلی قسمت تھی ہندوستان کی واللہ
سمجھتے ہیں اسے وہ مژدہ امن
جو اسلام اور مسلم سے ہیں آگہ
یہ دنیا کو ہے آزادی کا پیغام
شب تاریک میں مشعل راہ
مساوات و اخوت کا علمدار
سکون و عافیت کا پیش خیمہ
ریاست کی مثال ہے مثالی
سیاست کار مانے کو نمونہ
سناؤں قادری قرآں سے تاریخ
بتاؤں اس کی اک وجہ موجہ
مسلمانوں کا پاکستان حق تھا
کہ تھا ارشاد کنتم خیر امہ

از: پروفیسر حامد حسن قادری، خلیفہ مجاز پیر سیّد جماعت علی شاہ علی پوری

یا الٰہی کر مدد اسلام کی
ہو حکومت مستقل آزاد پاکستان کی
لفظ پاکستان کی یارب سمجھ بھی کر عطاء
اہل پاکستان عمل ہے مرد پاکستان کا
اور عمل بھی وہ کہ جس میں روح ہو اخلاص کی
کر عطاء نعمت یہ یارب ترے فضل خاص کی
ہوں پاکستان کے نعرے نہ خالی نام کے
بج رہے ہوں اس میں ڈنکے دین اسلام کے
ایسا پاکستان اسلامی ہو اے ربّ العالیٰ
ہو فروزاں جس میں شمع شرع پاک مصطفیٰ ﷺ

از: شاہ غلام رسول القادری، قادری مسجد کراچی 1922ء

(ب)

از: علامہ جمیل احمد نعیمی

استاذ الحدیث وناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ کراچی

آج بروز 14 اگست 2007ء محترم المقام عظیم محقق ودانشور ڈاکٹر محمد مجید اللہ قادری زید مجدہٗ الکریم احقر کے پاس تشریف لائے اور ایک کتاب بنام ''میری یادیں'' پیش کی۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اس پر احقر اپنے تاثرات تحریر کردے۔ احقر قلت وقت اور دار العلوم نعیمیہ کے سالانہ امتحانات کی مصروفیت کی وجہ سے از اوّل تا آخر مطالعہ نہ کرسکا لیکن چیدہ چیدہ مقامات سے مطالعہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ دیکھ کر اور پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ اس کتاب کے مصنف خانوادۂ اشرفیہ کے چشم وچراغ اور گل سرسبد پیر طریقت، رہبر شریعت عالم باعمل، صوفی باصفا، احقر کے استاذ بھائی عالی مرتبت ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ ادیب شہیر محقق کبیر علامہ محمد منشاء تابش قصوری نوری زید مجدہم نے موصوف کا بڑے اچھے اور خوبصورت انداز میں تعارف پیش کیا۔

یہ علامہ موصوف کا ہی حق ہے۔ احقر کی ناقص رائے میں مخدوم ومحترم ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف جیلانی مجدہ الکریم کی اس تحریر لطیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک کو تعمیر وتشکیل پاکستان کے سلسلے میں موصوف نے دہلی سے ہجرت کرتے وقت ہندوؤں اور سکھوں کے مصائب ومظالم کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دوسرے حصے کو ان نورانی وروحانی شخصیتوں اور پیکر علم وفضل اور زہد وتقویٰ جن کی صحبت وشفقت مس خام کو کندن و پارس بنادیا کرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب بلاواسطہ یا بالواسطہ موجودہ سیاست کے شجر ممنوعہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ لیکن پاکستان بنتے وقت (1947ء) مسلمانوں کے ساتھ جس طرح کا ظلم وستم کیا گیا اور جن مظالم کو مسلمانوں پر ڈھایا گیا۔ نیز آگ وخون کے جس دریا کو عبور کر کے مسلمان اس خداداد مملکت میں پہنچے، ان مظالم کو جس انداز میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں پیش کیا، وہ ہمارے پاکستان میں پیدا ہونے والے نوجوانوں کیلئے درس عبرت ونصیحت رکھتا ہے۔ اس لئے فقیر کہا کرتا ہے کہ ہماری نوجوان نسل کو اس پر غور کرنا چاہیے اور اس حقیقت کو سمجھنا چاہیے کہ پاکستان کسی نے سونے کی طشتری میں رکھ کر پیش نہیں کیا بلکہ اس کے پیچھے ہمارے اسلاف واکابر کی 1857ء سے لے کر 1947ء تک کی جہد مسلسل اور سعی پیہم کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کے صدقے رمضان المبارک کی 27ویں شب میں یہ پاکستان کی شکل میں نعمت وعطیہ سے نوازا،

اس وقت پاکستان جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کے لحاظ سے مخدوش حالت سے گزر رہا ہے۔جس پر پاکستان کا ہر درد دل رکھنے والا پریشانی اور فکر میں مبتلا ہے اللہ تبارک وتعالی اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے طفیل ہماری نوجوان نسل کو اس کی حفاظت واستحکام کی توفیق عطاء فرمائے۔

پاکستان کی تعمیر وتشکیل کے بعد ہمارے علماء کرام اور مشائخ عظام اپنے مدارس اور خانقاہوں میں مصروف ہوگئے۔ اکا دکا اگرچہ اس وادی پر خار یعنی سیاست کے میدان میں رہے اور اس راہ کے مصائب و آلام بھی جھیلے، لیکن اکثریت کواس میدان سے نہ دلچسپی تھی اور نہ توجہ۔دانشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ بنارس سنی کانفرنس اوراس کے نتیجے میں آنے والے پاکستان میں مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے سلسلے میں اپنی حسین وجمیل کوششوں کو جاری وساری رکھا جاتا، لیکن اپنوں کے ساتھ دست گریباں ہونے کی وجہ سے ہم اس فرض ومہم کو کماحقہ سرانجام نہ دے سکے۔اس لیے اغیار کی چیرہ دستیوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ پاکستان کے ہر شعبے میں غالب آ گئے اور علماء ومشائخ اہلسنّت پس منظر میں چلے گئے۔شعر

نیرنگئ سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اب احقر اس دوسرے حصے کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ جس کا تعلق اس روحانی

عرفانی اور نورانی دنیا سے ہے، جس کو عرف عام میں تصوف یا تصفیہَ قلب اور تزکیہَ نفس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس حصے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے خانوادے کے ساتھ اپنے پیر خانے کا بھی بڑے حسین وجمیل انداز میں تذکرہ فرمایا، نیز ان اکابر سے اکتسابِ فیض اور اپنی قلبی واردات کو بھی بیان فرمایا۔ ان ہستیوں میں مندرجہ ذیل بھاری بھرکم علم وفضل زہد وتقویٰ اور نورانی وروحانی جو اپنے قد و قامت کے لحاظ سے علم وحلم، امانت ودیانت اور سیاست صحیحہ شرعیہ میں مشہور تھے۔ ان میں موصوف کے والد ماجد عالم باعمل صوفی باصفا سیّد ابومخدوم محمد طاہر اشرف جیلانیؒ، حضرت فاضل جلیل عالم نبیل آفتابِ اشرفیت ابوالمسعود شیخ طریقت رہبر شریعت محمد مختار احمد الاشرفی الجیلانی کے علاوہ صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا سیّد نعیم الدین اشرفی مرادآبادی رحمہ اللہ علیہ، محدث ومفسر شہیر تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ، مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد اشرفی رحمتہ اللہ علیہ، سیاح عالم مبلغ اسلام الشاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری، غزالیٔ زماں رازیٔ دوران علامہ سیّد احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ، قائد ملت اسلامیہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ علیہ، جمعیت علمائے پاکستان کے پہلے صدر محترم سیّد ابوالحسنات قادری علیہ الرحمہ نیز علامہ محمد عبدالحامد قادری بدایوانی علیہ الرحمہ اگرچہ فقیر کے حافظے میں بیشمار علماء کرام مشائخ عظام اور مختلف شعبہَ ہائے زندگی کے بہت سے لوگ ہیں، جن کی تعمیر وتشکیل پاکستان میں گرانقدر خدمات ہیں۔ لیکن اس کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔

احقر انہی نفوس قدسیہ پر اپنی اس تحریر کا اختتام کرتا ہے۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

۞۞۞

(جیم)

از: پروفیسر محمد مظفر مرزا

اس کتاب کا کتنا سادہ سا موضوع ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریر کردہ شخصیت میں فقر وغنا، عاجزی، انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے جس طرح کسی شخصیت کے نام سے اس کے جملہ اوصاف حمیدہ کی وضاحت ہوجاتی ہے، الا ماشاء اللہ اسی طرح کسی کتاب کے نام سے بھی مستحسن و بابرکت فضا کا بھی احساس ہوتا ہے اور پھر کوئی کتاب کسی بزرگ محترم کی تحریر کردہ ہو تو اس کا رنگ ڈھنگ آہنگ مختلف ہوتا ہے زیر بحث و نظر کتاب، زبدۃ السالکین، بدرِ اشرفیت، پیر شریعت و طریقت، مرکزِ ایمان و وجدان، حضرت الحاج ڈاکٹر پیر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ کا قلمی سرمایہ ہے اس کائنات ناتمام کی اعلیٰ ترین علمی اور قلمی مقام کا پتہ دیتی ہے۔

اس خاندان میں جلیل القدر علمی، روحانی بابرکات اور فیوض شخصیات نے جنم

لیا جن کے روحانی اور ایمانی کمالات کی ایک کائنات قائل ہے، ڈاکٹر پیر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی 19 جنوری 1938ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، جسے شہر اولیائے کرام سے بھی منسوب کیا جاسکتا ہے، جہاں روحانیت وایمانیت کے عظیم ترین اولیائے کرام محوِ استراحت ہیں۔

ڈاکٹر صاحب قبلہ کا شرف یہ بھی ہے کہ وہ نجیب الطرفین سیّد ہیں حضرت غوث الاعظم حضور کی اولاد میں سے ہیں آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اور بعد میں حضرت حافظ بھورے صاحب سے قرآنِ حکیم ناظرہ مکمل فرمایا اپنے ماموں حضرت علامہ مولانا محمد نسیم احمد صاحب سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ تخلیقِ پاکستان کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور پھر کراچی منتقل ہوگئے۔

آج کل ڈاکٹر صاحب قبلہ نے دارالعلوم جامعہ طاہریہ اشرفیہ قائم کر رکھا ہے جہاں جدید وقدیم علوم کی تعلیم وتربیت کا انتہائی اعلیٰ بندوبست کردیا گیا ہے اسلام سے محبت وعقیدت حضور پاک ﷺ سے عشق تو انہیں خاندانی طور پر جن انوار و تجلیات کا حصول بچپن سے ہی ہوگیا تھا اس نے ان کی شخصیت میں کمال روحانی، دینی، اسلامی اور قرآنی جہاں معنی کو موجزن کردیا تھا۔

ڈاکٹر محترم المقام کا کمال ہے کہ انہوں نے دینی اور اسلامی علوم کے علاوہ انگریزی کی تعلیم بھی حاصل کی اور پھر میڈیکل تعلیم کیلئے انگلستان تشریف لے گئے جہاں انہوں نے انتہائی استقامت استقلال سے اپنی دینی شخصیت کو سنبھال کر رکھا

اور داغدار نہیں ہونے دیا۔علامہ اقبالؒ نے صحیح فرمایا تھا ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ

سرمہ ہے اس آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

ڈاکٹر سیّد مظاہر حضور نے کئی مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کا اعزاز حاصل کیا آپ نے 21 مرتبہ حج فرمایا اور 67 مرتبہ عمرہ کا اعزاز حاصل کیا علاوہ ازیں انہوں نے تبلیغی دورے بھی فرمائے جن کی تفاصیل کسی ایک کتاب میں سما سکتی ہے چند لفظوں میں نہیں ڈاکٹر صاحب کی تصانیف کا جہاں تک تعلق ہے مجھے راہ میں ''لطائف اشرف'' صراط الطالبین فی طریق الحق والدّین سلوک کے قواعد وضوابط پر منصۂ شہود پر آنے والی ہے ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کامیاب تاجر، اعلیٰ خطیب و مقرر، صحافی، مؤرخ اور اعلیٰ شاعر ہونے کا اعزاز عطاء فرمایا، جو کم کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے خاندان نے تحریک پاکستان میں جو کردار ادا کیا وہ تاریخ کا درخشاں باب ہے ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب ''میری یادیں'' میں ان دلدوز واقعات کا ذکر خوب خوب فرمایا ہے اور تخلیق پاکستان کے کئی اہم گوشے واضح فرمائے ہیں تحریک پاکستان اور تخلیق پاکستان کے ضمن میں ڈاکٹر مرتب کی نگارشات کا ایک مقام ہے۔

میری اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرف صاحب کو عمر خضر عطاء فرمائے اور انہیں قرآن اسلام پاکستان اور تحریک پاکستان کے بنیادی

اساسی، ازلی ابدی تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے آخرت تک زندہ سلامت رکھے۔
آمین

❁❁❁

تعارف اشرف

بدرِاشرفیت، پیرطریقت حضرت الحاج ڈاکٹر پیر

سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی دامت برکاتہم

خاندانِ ساداتِ اشرفیہ کچھوچھا شریف، براعظم ایشیاء میں آسمانِ روحانیت کا وہ نیرتاباں اور ارضِ طریقت کا ایسا کوہ فاران ہے جس کے انوار و تجلیات اور لعل و جواہرات کے فیضان سے زمانہ استفادہ کرتا آرہا ہے۔ اس عالی مرتبہ خاندان میں جلیل القدر علمی و روحانی شخصیات نے جنم لیا جن کے مثالی کارناموں کی شہرت زبان زدِ عام ہے اور جن کی عظمت و رفعت کے ڈنکے چہار دانگ ِعالم میں بج رہے ہیں، نیز ان کے علوم و عرفان اور کمالات صوری و معنوی کا سکہ اکابر وقت نے تسلیم کیا۔

بلاشبہ ساداتِ اشرفیہ روایاتِ اسلاف کا امین اور اخلاف کی عقیدت کا مرکز

ہیں اور آج بھی اس مرکز حقیقت سے تقسیم معرفت کا سلسلہ ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے۔اسی رفیع الدرجات خاندان میں سے ایک نابغۂ روزگار شخصیت نے ہمارے دور کو بھی اپنے کردار جمیل اور حسین ترین ظاہری و باطنی توجہات سے منور کرنے کا عزم کر رکھا ہے جو روحانی وجاہت اور علمی اعتبار کے ساتھ ساتھ دولت وثروت میں بھی قابل صد افتخار ہے۔

یہ میری انتہائی خوش بختی ہے کہ مجھے اس ذات ستودہ صفات کے تعارف کی سعادت نصیب ہو رہی ہے جس کے باعث میں روحانی سکون محسوس کر رہا ہوں، وہ ہیں میرے اور آپ کے ممدوح، پیکر شرافت، امین روحانیت، محافظ طریقت، ناشر تصوف، تاجدارِ معرفت، بدرِ اشرفیت حضرت الحاج پیر ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف اشرفی الجیلانی دامت برکاتہم امیر حلقۂ عالمی اشرفیہ، مدیر اعلیٰ ماہنامہ آستانہ کراچی، مدیر اعلیٰ روزنامہ انکشاف حق لاہور، چیف ایگزیکٹیو نانا کارپوریشن لمیٹڈ کراچی، جن کی نہایت پاکیزہ، لائق تقلید اور مصروف ترین زندگی کے بعض گوشے قلمبند کیئے جاتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت:

تاجدارِ معرفت ڈاکٹر پیر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ ۱۹؍جنوری ۱۹۳۸ء میں براعظم ایشیاء کے مشہور شہر دہلی میں پیدا ہوئے جو کبھی مدینۃ الاولیاء، مدینۃ العلوم اور مدینۃ المساجد کے نام سے شہرۂ آفاق تھا، ہندوستان کی اس

راجدھانی کو بڑی بڑی روحانی علمی، سیاسی وادبی شخصیات نے اپنے وجود مسعود سے چار چاند لگائے۔علماء ومشائخ وقت نے علوم وفنون اورعرفان واتحسان کا اسے عدیم المثال علمی گہوارہ بنایا، دینی ودینوی سلاطین نے اپنے اپنے وقت میں اسے محل ثریا سے بھی بلند تر عظمت دی۔ بالتحقیق دہلی کو دنیائے روحانیت میں حضرت خواجۂ خواجگان قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کا شہر کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا۔اسی شہرعرفان میں ڈاکٹر صاحب قبلہ نے آنکھ کھولی۔

بشارتِ اشرفی:

حضرت پیر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ نے قطب ربانی حضرت سیّد پیر محمد طاہر اشرف الجیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کاشانۂ اقدس میں آنکھ کھولی۔آپ کی ولادت باسعادت سے تین چار سال قبل شبیہہ غوثِ اعظم، محبوب ربّانی، شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت پیر سیّد علی حسین صاحب الاشرفی الجیلانی کچھوچھا شریف (رحمتہ اللہ تعالیٰ) نے آپ کی پیدائش کی بشارت سے نوازتے ہوئے آپ کو سیّد محمد مجاہد اشرف یا سیّد محمد مظاہر اشرف سے موسوم فرمایا اور مظہر اشرفیت کے لقب سے ممتاز فرماتے ہوئے آپ کی جلالتِ عظمت اور کمالِ رفعت کے اشارے بھی دیئے، نیز فرمایا تین چار سال بعد آنے والا شہزادہ اپنے خاندانِ عالی مقام کے لئے باعث صد افتخار ہوگا۔ چنانچہ اس بشارت کے حصول کے بعد آپ کے والد

ماجد، فخر سادات، محسن خاندان اشرفیت، قطب الوقت، قطب ربانی حضرت پیر سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کی پیدائش کا نہایت اشتیاق سے انتظار فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ ۱۹؍جنوری ۱۹۳۸ء کو اس جہانِ رنگ و بو میں مزید رنگ بھرنے کیلئے دہلی میں جلوہ افروز ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب قبلہ نجیب الطرفین سیّد ہیں، آپ حضور سیّدنا غوث الاعظم رضیت اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ امجاد سے ہیں جنہیں حسنی حسینی سیّد ہونے کا شرف حاصل ہے۔اس طرح ڈاکٹر صاحب موصوف صحیح النسب سیّد ہیں۔

تعلیم و تربیت اور ہجرت:

علمی خاندان کی اولاد کو ابتدائی تعلیم کے لئے باہر جانے کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی، بناء علیہ آپ نے بھی علم کا آغاز گھر پر ہی نورانی قاعدہ اور یسرنا القرآن سے کیا، پھر مدرسہ حسین بخش نزد جامع مسجد دہلی میں حضرت حافظ بھورے صاحب سے قرآن کریم ناظرہ مکمل فرمایا، حافظ صاحب مرحوم ڈاکٹر صاحب کے دادا جان حضرت پیر سیّد حسین اشرف صاحب مرحوم و مغفور کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے، نیز درس نظامی کی کتابیں اپنے ماموں جان حضرت علامہ مولانا محمد نسیم احمد صاحب مرحوم سے شروع کیں جو اپنے وقت کے جید علماء میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وہ تدریس کے ساتھ ساتھ سنہری جامع مسجد دہلی میں خطابت کے فرائض بھی سر انجام دیتے رہے، تحریک پاکستان کی سرگرمیوں کے باعث دیگر اُمور کی طرح تعلیم

کے معاملہ میں تسلسل برقرار نہ رہ سکا یہاں تک کہ تقسیم ملک کی صورت میں دنیا کے نقشہ پر اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان کا نام اُبھرا، اس ہنگامۂ قیامت میں دوسرے مسلمانوں کی طرح ڈاکٹر صاحب کے خاندان عزت نشان نے بھی بہت سی قیمتی جانیں وطن پاک پر نثار کیں۔ خاندان کے بعض دیگر افراد کی طرح آپ کے والد ماجد قطب ربانی حضرت پیر سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت وطن کی سنت کو اپناتے ہوئے انتہائی ناگفتہ حالات میں دہلی سے لاہور ورود فرمایا اور شاہی محلّہ سیٹھاں پانی والا تالاب میں قیام پذیر ہوئے، ظاہر ہے ان نازک ترین حالات میں ڈاکٹر صاحب کو تعلیم کا جاری رکھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا، چنانچہ آپ کی تعلیم تحریک پاکستان کی نذر ہوتی رہی۔

پھر لاہور سے نقل مکانی کر کے کراچی پہنچے اور کئی سال تک نہایت صبر آزما اور تکلیف دہ حالات کا سامنا رہا۔ ملٹری ہسپتال مہاجر کیمپ میں قیمتی وقت پاس کیا، آخر کار قسمت نے یاوری کی، حضرت علامہ مولانا عبدالحامد قادری بدایوانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے توسل سے فردوس کالونی کراچی میں ایک قطعۂ اراضی قیمتاً حاصل کر کے مکان تعمیر کیا اور آپ کے والد ماجد علیہ الرحمتہ نے زندگی کے آخری لمحات وہیں گزارے۔

اب حضرت ڈاکٹر پیر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ نے اس مکان کے نصف حصہ میں دارالعلوم جامعہ طاہریہ اشرفیہ قائم کر رکھا ہے، جہاں جدید

وقدیم علوم کی معیاری تعلیم کا سلسلہ نہایت عمدگی سے جاری ہے۔

بات ہورہی تھی ڈاکٹر صاحب قبلہ کے حصولِ علم کی، مگر آپ کو درمیان میں ایسی بحرانی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا کہ تعلیم بھی تحریک پاکستان کی نذر ہوگئی، کراچی پہنچنے پر آپ نے علوم درسیہ عربیہ کی تکمیل پر توجہ دی اور تاج العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عمر صاحب نعیمی اشرفی رحمہ اللہ کی عظیم درسگاہ جامعہ عربیہ بحرالعلوم (کراچی) میں پڑھنا شروع کیا اور جملہ علوم معقول ومنقول میں دسترس حاصل کی نیز ساتھ ہی ساتھ سلوک وتصوف کے اسرار ورموز اپنے والد ماجد قطب ربانی پیر سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی قدس سرہ العزیز سے سیکھے، جواس سلسلہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، انہیں کشف وکرامات اور تصرف واختیار روحانیہ میں بے پناہ کمال حاصل تھا، علوم و معارفِ روحانیہ میں ڈاکٹر صاحب نے انہیں منبع ومخزن جانا اور اسی ایقان کے توسل سے آپ نے راستہ میں آنے والی ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے قبول کیا، پھر عروج و ارتقاء کی تمام منازل آسان سے آسان تر ہوتی گئیں، حقیقتاً آپ کے والد ماجد بچپن سے ہی آپ کو اس عظیم مقصد کیلئے تیار کررہے تھے اسی لئے آپ کی ناز برداری خندہ پیشانی سے کرتے یہاں تک کہ اگر کبھی فطرتاً آپ روٹھ پڑتے تو ہر ممکن نزاکت سے آپ کو راضی کرتے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا وغیرہ کھلاتے۔

دراصل حضرت والد ماجد آپ کے مستقبل میں جھانک رہے تھے، ایسی نہایت تابناک اور فیض رساں بنانے کیلئے ذکر واذکار، وظائف واوراد، اشغال و

مراقبات اور مکاشفات کے مدو جزر کو بڑی عمدگی سے آپ کے قلب اطہر میں راسخ فرمارہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ابھی آپ بارہ برس کے پیٹے میں تھے کہ آپ کو اسرار غریبہ اور انوارِ عجیبہ نظر نواز ہونا شروع ہوگئے، چونکہ آپ نے عمل و کردار کے حامل خاندان میں آنکھ کھولی تھی اس لئے آپ کے رگ و ریشے میں ارکانِ اسلام کی محبت رچ بس چکی تھی، صوم وصلوٰۃ کی پابندی آپ کا محبوب ترین عمل تھا، آپ سے سفرو حضر میں نماز و روزہ کبھی نہ چھوٹا (قضا نہیں ہوا) کیونکہ آپ بچپن ہی سے مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہیں۔ سستی وکاہلی نام کے جراثیم آپ کے وجودِ مسعود پر کبھی حملہ آور نہیں ہوسکے۔ عزم بالجزم آپ کا معمول ہے، فاذا عزمت فتوکل علی اللہ آپ کا وظیفہ ہے۔

انگریزی تعلیم:

ڈاکٹر صاحب کی والدہ محترمہ مرحومہ جو اپنے وقت کی رابعہ تھیں، ان کی نگاہِ فراست اپنے نورِ نظر لختِ جگر کو عالمی مبلغ اسلام کے روپ میں دیکھ رہی تھیں لہٰذا مرحومہ نے انگریزی مدرسہ میں داخلہ کا اشارہ دیا تو آپ نے جدید تعلیم کی طرف بھی رخ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہر کلاس میں امتیازی حیثیت سے ٹاپ کیا یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء میں اعلیٰ نمبروں میں میٹرک کیا، پھر جناح کالج اور ڈی جے سائنس پری میڈیکل کالج اور ڈاؤ میڈیکل کالج (کراچی) میں علی الترتیب پڑھتے رہے حتیٰ کہ میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم کیلئے ۱۹۵۹ء میں انگلستان تشریف لے گئے اور وہاں پر دوران

تعلیم اپنا تبلیغی مشن بڑی استقامت سے جاری رکھا، انگلستان میں تعلیمی قواعد وضوابط انتہائی مخلوط ہیں۔ طلباء و طالبات اکٹھے پڑھتے ہیں آپ نے اسی مخلوط ماحول میں اپنے اسلامی تشخص کو انتہائی پامردی سے سنبھالے رکھا یہاں تک کہ آپ نے اپنے چہرہ مبارک سنتِ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے مزین رکھا، آپ کے ہم جماعت ہم کالج طلباء و طالبات کے علاوہ لیکچرار اور پروفیسر حضرات آپ کے تصلب فی الدین سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنے اصول وضوابط سے پابندی اٹھالی اور ایک مقدس انسان کی حیثیت سے آپ کو تسلیم کرلیا، جبکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایمانداری پاکیزہ طینت اور مقدس فطرت کا حامل ہونا ضروری ہے، اس کے برعکس مشرک خواہ یہودیت کے روپ میں ہو یا عیسائیت کی ہیئت میں بہرحال نجس اور پلید ہے کیونکہ یہ قرآن کریم کا اٹل فیصلہ ہے ''انما المشرکون نجس'' بیشک مشرک ہی پلید ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف مومن و مسلم کی صفت سے موصوف ہیں بلکہ اہل بیت رسول کریم ﷺ کی عظیم نسبت کے حامل بھی ہیں لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ ہے ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا'' (پ:۲۱م س:احزاب) کے تحت اہل بیت میں سے ہونے کے ناطے، اللہ تعالیٰ نے ایسے قبیح ماحول میں آپ کو نہ صرف اس کی آلائش سے محفوظ رکھا بلکہ آپ کے اخلاق واطوار اور تعمیری حسن کردار نے انہیں آپ کا گرویدہ بنادیا۔ یوں بھی آپ کی طہارت ونفاست کی حفاظت آپ کے وہ اوراد وظائف اور چلّے تھے جو

آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت میں راسخ کردیئے تھے وہاں بڑی جرأت واستقامت سے جاری رکھے اور جہاں ابتلاء وآزمائش کا مرحلہ آتا تو بلا توقف آپ کے والد ماجد کی روحانیت مثالی صورت میں آپ کی رہنمائی ودستگیری کرتی رہی، گویا کہ آپ وہاں اپنے عمل وکردار سے علامہ اقبال مرحوم کے اس شعر کے مصداق ثابت ہوئے۔

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

بیعت وخلافت:

محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی سابق صدر شعبۂ علوم الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور آپ کی تصنیف لطیف ''لطائف اشرف'' میں فرماتے ہیں کہ ''آپ نے اپنے والد ماجد مرحوم ومغفور کی صحبت وبرکت کے فیضان سے بچپن میں ہی زہد وتصوف کو اپنی طبیعت پر غالب کرلیا تھا، لیکن وہ تصوف نہیں جو سکر کی کیفیت سے انسان کو بیخود اور دنیا ومافیہا سے بے خبر بنادے، بلکہ آپ کا تصوف صحو پر مبنی رہا جس نے سفر وحضر میں ہمیشہ پابندِ شریعت رکھا۔''

ڈاکٹر صاحب نے اپنے والد ماجد کی زندگی میں واضح اشارہ کہ ''تمہارا حصہ میرے پاس نہیں تم کچھوچھا شریف میں بیعت ہوں گے'' کے مطابق حضرت شاہ سیّد محی الدین اشرف الاشرفی الجیلانی کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی

سعادت حاصل کی اور ساتھ ہی مرشد ارشد نے آپ کو جوہر قابل پاکر خلافت سے سرفراز فرمایا۔ نیز آپ پر حضرت مخدوم سلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کی بھی خاص نگاہِ کرم رہی یہاں تک کہ آپ کو بشارت کے ذریعہ میں اپنے جمالِ جہاں آراء سے مشرف فرماتے ہوئے ''دعائے سیفی'' کی تلقین کی جسے آپ نے اپنی زندگی کا معمول بنا رکھا ہے، نیز ''دعائے سیفی'' کے بارہ سال تک چلے بھی کیئے جس کی برکات کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں۔

ازدواجی زندگی:

تاجدارِ معرفت حضرت پیر ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ ابھی اپنے تعلیمی سلسلہ میں لندن میں قیام پذیر تھے کہ بذریعہ خط آپ کو مطلع کیا گیا کہ آپ کی شادی کا اہتمام ہو چکا ہے، یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے جبکہ آپ کی عمر اس وقت تقریباً بائیس سال تھی۔ خط میں تحریر تھا کہ حضرت شیخ المشائخ سیّد مختار اشرف صاحب سجادہ نشین درگاہ اشرفیہ عالیہ کچھوچھا شریف اور قطب ربانی شاہ سیّد طاہر اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ کے متفقہ فیصلے کے مطابق تمہاری شادی کی بات حضرت سیّد مختار اشرف صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی بھانجی کی صاحبزادی سے طے ہو چکی ہے۔

اسی ہفتہ میں ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد پر مرض الموت کا شدید حملہ ہوا جس کے باعث آپ بعجلت لندن سے کراچی تشریف لائے اور قطب ربانی حضرت شاہ

سیّد محمد طاہر اشرف علیہ الرحمتہ کی خدمت کا موقع حاصل کیا، انہی ایام خدمت میں ایک شب ۲ بجے والد ماجد کے پاس تھے کہ انہوں نے اپنے سرہانے سے روپوں کا ایک بٹوہ نکال کر آپ کی طرف بڑھا دیا، آپ نے اسے چوما اور یہ کہتے ہوئے واپس کردیا یہ روپے تو ختم ہوجائیں گے آپ مجھے خصوصی دعا سے نواز دیجئے جو کبھی ختم نہ ہوگی اور اتنے یا اس سے زیادہ نوٹ یومیہ میرے پاس جمع ہوں۔ان کلمات پر حضرت پیر سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بغور آپ کی طرف دیکھا پھر عملیات و وظائف کی پانچ کتابیں اشارے سے عنایت فرمائیں، نیز آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھتے رہے، پھر دم کیا اور گلے میں ہاتھ ڈال کر رو دیئے، یہ جمعرات کا واقعہ تھا پھر ۱۷ر جمادی الاولیٰ بروز اتوار کی شام کو شمس طریقت غروب ہوگیا۔

حقیقت ہے کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کو آج جتنی بھی روحانی و مادی دولت نصیب ہے یہ سبھی قطب ربانی حضرت پیر سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی علی الرحمتہ کی ادعیہ مستجابہ کا ثمرہ ہے جو طریقت و معرفت میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں، نیز دین و دنیا کے علوم و فنون اور مال و دولت سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ فقر غیور کے مالک ہیں۔آپ کی شاہانہ زندگی نے زہد و تقویٰ میں سر مو فرق نہیں آنے دیا بلکہ اتقاء اور پرہیز گاری آپ پر نازاں ہے۔ بات ذرا طویل ہوگئی، والد ماجد علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے بوقتِ نکاح اس دور میں دو ہزار روپے حق مہر مقرر رہوا جو آپ نے ۱۴۰ مرتبہ ادا کیا یعنی دو لاکھ اسّی ہزار روپے عنایت فرمائے جس کی مثال شاید ہی مل سکے۔

اسی طرح کے عجیب و غریب واقعات سے آپ کی زندگی عبارت ہے
ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

لاؤ کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کی یہ داستان

بحمدہ تعالیٰ آپ کے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں جو جملہ اُمور شریعت پر دستگاہ رکھتی ہیں۔صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) محمد اوحد الدین سیّد اشرف الاشرفی الجیلانی زید مجدہ وشرفہ

(۲) سیّد محی الدین محمد اشرف الاشرفی الجیلانی زید علمہٗ وعملہ (المعروف اچھے میاں، ولی عہد۔امیر عالمی حلقۂ اشرفیہ)

زیارتِ حرمین شریفین:

حرمین شریفین کی زیارت کیلئے وہ کونسا مسلمان ہے جو تڑپ نہ رکھتا ہو، نبی کریم ﷺ کا ہر اُمتی اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول کے لئے شب و روز دعائیں کرتا ہے کاش کہ زندگی میں وہ دن آئے جب مدینہ طیبہ میں دربار پرانور کی حاضری نصیب ہو، گنبدِ خضرا کے نظارے اور سنہری جالیوں کے پاس مواجہ رسول کریم ﷺ کے سامنے صلوۃ وسلام پیش کرنے کی سعادت میسر آئے پھر حج کعبہ یا عمرہ کا وہ بابرکت لمحہ آئے جب بیت اللہ شریف میں لبیک لبیک کہتے ہوئے پہنچ جائے، خواہ زندگی میں ایک بار ہی کیوں نہ ہو، مگر میرے ممدوح حضرت ڈاکٹر صاحب کی قسمت کی بلندی دیکھئے کہ آپ کو آج جولائی ۲۰۰۷ء تک ۲۱ مرتبہ حج اور ۶۷ مرتبہ

عمرہ ادا کرنے کی نعمتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔

بارگاہ عرش پناہ، گنبدِ خضراء کے مکین رحمتہ للعالمین سیّدالانبیاء والمرسلین محبوب ربّ العالمین ﷺ میں اتنی کثیر حاضریوں کی دولتِ لازوال سے شادکام ہونے کے باوجود ابھی سیر نہیں ہوئے، اسی لئے تو پکار رہے ہیں۔

صحرائے مدینہ کی تازیست ہو سیاحی
وہ منزلِ اوّل ہو جس حد سے گزر جاؤں

تبلیغی دورے:

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے ایسے خاندان میں جنم لیا جس کا بنیادی مقصد تبلیغ و اشاعتِ اسلام اور مسلمانوں کے دلوں میں حب خیرالانام علیہ التحیۃ والسلام کا راسخ کرنا ہے، چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں عالمی سطح پر دنیا کے بیشتر ممالک کے متعدد دورے فرمائے اور ہر جگہ اپنے عمل و کردار اور اقوال و افعال سے لوگوں کو دین حق مسلک اہلسنّت کی ترویج وترقی کے لئے مائل کیا۔ کئی غیر مسلم آپ کے پرکشش اور حکیمانہ اندازِ تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ نے اب تک دیارِ مقدس حرمین شریفین کے علاوہ ساڑھے سات لاکھ میل کا سفر فرمایا، جن ممالک میں آپ کی ایمان افروز روح پرور تبلیغ نے اپنا رنگ جمایا ان کے صرف نام لکھے جاتے ہیں جنھیں تفصیل مطلوب ہو وہ ''مغرب کی سیر'' ایک سفرنامہ کی مختلف جدول کا مطالعہ کریں۔ آپ نے برطانیہ، فرانس، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، آسٹریلیا، ملائیشیا،

بھارت، دوبئی، ترکی، ایران، عراق، حجاز مقدس (عرب شریف) شارجہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، تھائی لینڈ، سنگاپور وغیرہ ممالک کا بار بار سفر فرمایا، مگر آپ فرماتے ہیں مجھے جو سکون مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی حاضری میں میسر ہوتا ہے وہ لذت روئے زمین پر کہیں اور نہیں پائی جاسکتی۔ بہرحال آپ کی روحانی طاقت اور کشش ثقل مسلمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے علاوہ پوری دنیا میں آپ کے مریدین و معتقدین اور متوسلین کی خاصی بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔ اندرونی و بیرونی ممالک کے سفر میں یا کسی بھی ظاہری و باطنی معاملہ میں حالات کی ناسازگاری کا سامنا ہوا تو آپ نے مراقبات کے ذریعہ اپنے والد ماجد علیہ الرحمتہ سے رہنمائی و ہدایات حاصل کر کے عمل پیرا ہوئے تو مشکلات فوراً حل ہوئیں، بعض اوقات تو خود حضرت اقدس علیہ الرحمتہ اپنے روحانی تصرف سے اپنے فرزند ارجمند کے مشکل ترین مسائل کی گرہیں کھول دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عموماً ایسی صورت پر اظہار تشکر کے طور پر کسی صاحب عقیدت کا یہ شعر زبان اطہر پر گنگنانے لگتے ہیں۔

جہاں کہیں میرے قدموں میں لغزشیں آئیں
تیرے نثار وہیں آسرا دیا تو نے

شعر گوئی:

قلبی کیفیات کو نظم کی صورت میں موزوں کرنا، نثر میں جو بات سینکڑوں الفاظ سے بھی بن نہ پڑے اسے دو ہی مصرعوں میں موٴثر ترین انداز سے بیان کر دینا،

حروف والفاظ کی ٹوٹی پھوٹی شکل کو حسن و جمال کی رعنائیاں بخشنا شعر کہلاتا ہے۔ شعر کہنا ہر کسی کا کام نہیں خواہ وہ علوم وفنون کے کتنے دریاؤں میں تیر چکا ہو یہ عطیۂ ربانی ہے اس میں آمد بھی ہوتی ہے اور آورد کا پہلو بھی سامنے آتا ہے۔ وہ شاعری جس میں مظاہر قدرت، رنگ، حقیقت، تسبیح و تقدیس، حمد و نعت، قصائد و مناقب ذکر و اذکار، تعلیم انسانیت کی جلوہ گری ہو، عشق و وجدان، شرابِ محبّ و معرفت، اخوت و مودت کے درس پائے جاتے ہوں، حقیقتاً وہی اشعار، اشعار کہلاتے ہیں اور شعر کی شکل میں دھینگا مشتی، بے حیائی، نازیبا حرکات کی نقاب کشائی ہو، وہ شعر، شعر نہیں بلکہ انسان کی قوت بہیمیہ کا اظہار ہے جو اہل شعور کی اصطلاح میں محض صورتاً شعر ہے مگر حقیقتاً وہ شعر نہیں، ایسے شعر موزوں کرنے والا شاعر تلمیذ الرحمان نہیں بلکہ تلمیذ الشیطان ہوتا ہے۔

میرے ممدوح محترم المقام حضرت پیر ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی مدظلہٗ مقدس شاعری کے خوگر ہیں، حمد و نعت اور قصائد و مناقب، غزلیات وغیرہ میں آپ نے اس وقت سے طبع آزمائی شروع فرمائی جب آپ میٹرک تک بھی نہ پہنچے تھے یعنی ابتدائی تعلیم کے ساتھ طبیعت شعر کی طرف مائل تھی، انگلستان میں رہے تو اصلاحی غزلیات کی طرف رخ ہوا، عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگلش میں آپ نے شعر کہے، مگر اب صرف اور صرف محبوب کائنات فخر موجودات، سیّد السادات رحمۃ للعالمین ﷺ کی نعت کہنا آپ کا وظیفہ ہے۔

تصانیف:

حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ مدظلہٗ یوں چلتی پھرتی کتاب ہیں مگر حقیقتاً بھی آپ کے رشحات قلم سے اہل علم و فضل مستفیض ہو رہے ہیں۔آپ ایک کامیاب تاجر ہونے کے باوجود نہایت سلجھے ہوئے خطیب و واعظ اور بہترین مبلغ و مقرر ہیں۔ صوفی، متقی، مولوی، شاعر، ادیب، صحافی، مؤرخ، مترجم، مؤلف اور بہت عمدہ مصنف ہیں۔آپ نے متعدد کتب تصانیف فرمائیں جن میں ''لطائف اشرف'' اور ''صراط الطالبین فی طریق الحق والدین'' بڑی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں، نیز سلوک کے قواعد و ضوابط پر نہایت جامع کتاب زیر ترتیب ہے جو انشاء اللہ العزیز جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر صحرائے طریقت میں بھٹکنے والوں کیلئے خضر راہ ثابت ہوگی۔

روحانی و جسمانی معالج:

صاحب قرآن کریم نبی رؤف الرحیم ﷺ کے اوصاف جمیلہ سے آگاہ فرماتے ہوئے ربّ العالمین جل جلالہٗ نے فرمایا: میرے حبیب معلم کتاب و حکمت ہیں۔لہٰذا وہ عالم جو کما حقہ مظہر اوصاف مصطفیٰ ﷺ ہوگا وہ کتاب و حکمت کے فیوض و برکات کا مستحق ٹھہرے گا، اگر اس فارمولے کو سامنے رکھتے ہوئے ہم ڈاکٹر صاحب کا موازنہ کرتے ہیں تو آپ عالم کتاب بھی نظر آتے ہیں اور صاحب حکمت

بھی دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ جہاں آپ نے مروّجہ علم وفنون کی تکمیل فرمائی وہاں طب روحانی، طبِ نبوی، طبِ یونانی اور طبِ جدید (میڈیکل) میں بھی کمال حاصل کیا اور بہترین روحانی وجسمانی معالج وسرجن ہیں۔ اگر طبِ یونانی میں طبیب حاذق ہیں تو انگریزی طریقہ علاج میں اکثر امراض کے اسپیشلسٹ ہیں۔

این سعادت بزورِ باز و نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

لطف یہ کہ آپ خصائل وشمائل، وضع قطع اور لباس کے معاملہ میں عام صوفی دکھائی دیتے ہیں، تجارتی اُمور کی مصروفیات کے باوجود اپنے وظائف واوراد اور معمولات پر سختی سے پابند ہیں، یہ سب فیضان ہے حضرت مخدوم سلطان اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جن کی روحانی قوت آپ کے شامل حال رہتی ہے۔

اسلامی اداروں کی سرپرستی:

آپ کریم ابن کریم ہیں اس لئے پاک وہند کے متعدد دینی مدارس اور مساجد علمائے کرام اور طلبائے دینیہ کے مالی سرپرستی آپ کا مرغوب ترین عمل ہے، مسلک حق اہلسنّت والجماعت کی ترویج واشاعت میں آپ کی خدمات ناقال فراموش ہیں۔ آپ سنّیت پر ٹھوس اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کیلئے فرض سمجھتے ہیں اس لئے اپنے اکابر اور دیگر اسلاف عظام کے تہوار منانے میں فخر محسوس کرتے ہیں،

سادات اشرفیہ کے اُعراس کا انعقاد آپ کا تاریخی کارنامہ ہے۔ کراچی اور لاہور میں سالانہ عرس منعقد کرتے رہتے ہیں۔ اکابر اسلام کی پاکستان میں تشریف آوری پر بڑے بڑے ہوٹلوں میں استقبالیہ محافل کا اہتمام فرماتے ہیں۔ سینکڑوں مدعوین کی اعلیٰ سطح پر مہمان نوازی سے قلب وروح کو تسکین بخشتے ہیں۔ الغرض آپ مادی و روحانی دولت سے اسلام کی خدمت میں پیہم مصروف ہیں۔

خانقاہ اشرفیہ جیلانیہ وخانقاہ وجامع اشرف جہانگیر:

آپ نے پاکستان میں متعدد مدارس اور مساجد از خود تعمیر کرائے جن کی مالی امداد مسلسل فرمارہے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے باقاعدہ کراچی میں سمنان ٹاؤن میں خانقاہ و جامع مسجد اشرف جہانگیر کی تعمیر مکمل فرمائی اور لاہور میں خانقاہ اشرفیہ جیلانیہ کچھوچھا شریف رائے ونڈ روڈ میں قائم فرمائی، جو زیرِ تعمیر ہے، جس میں ایک مدرسہ جامعۃ الاشرف کے نام سے قائم کیا ہے۔ جہاں تعلیم و تعلّم، درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے اور ساڑھے پانچ کنال وسیع وعریض قطعۂ اراضی پر دہلی کی جامع مسجد کے نمونہ ''اشرف المساجد'' سے موسوم ایک جامع مسجد زیرِ تعمیر ہے، جس پر اخراجات کا تخمینہ کروڑوں روپے ہیں۔

ملازمین سے برتاؤ:

سب سے نازک ترین مرحلہ ہر وقت اپنے ساتھ رہنے والوں کے معاملات کا

ہوتا ہے، گھریلو فرائض کو احسن طریقہ سے انجام دینا، اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ رحم دلی اور نرمی سے پیش آنا، خدام کی حوصلہ افزائی اور کام سے ان کی عدم توجہی سے اعراض برتنا یہ ایسے اُمور ہیں جن پر صبر واستقامت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں جب ہم اس نہج پر کھوج لگاتے ہیں تو یہاں بھی آپ دیگر امراء سے منفرد نظر آتے ہیں۔ آپ نے حسن برتاؤ اور بعض کوتاہیوں پر خدام سے درگزر کرنا اپنا شیوہ بنا رکھا ہے جس کے باعث افراد خانہ سے لے کر دفتری ملازمین تک سبھی آپ کے گرویدہ نظر آتے ہیں جب آپ بیرونی دورے پر جاتے ہیں تو خدام کی حالت قابل دید ہوتی ہے۔ اتنی سی جدائی بھی برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے اور جب بعافیت واپس تشریف لاتے ہیں تو ان کی اس دن عید ہوتی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ''من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا'' ہمہ وقت فردوس نگاہ رہتا ہے، نیز علماء ومشائخ اور طلباء کے بے حد قدر دان ہیں ان کی عزت وتکریم کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

حرفِ آخر:

محترم قارئین کرام! راقم السطور کو خاندانِ اشرفیہ سے دلی لگاؤ ہے، کیونکہ زمانہ طالب علمی میں مجھے فقیہ اعظم استاذی المکرّم حضرت الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس خاندان عظمت شان کے بارے میں

بار ہا ایمان افروز واقعات سننے کی سعادت نصیب ہوئی، نیز پاک و ہند کے رسائل و جرائد میں سلسلۂ اشرفیہ کی رقت آمیز داستان زیب نظر ہوتیں تو دل باغ باغ ہو جاتا، جب مجھے کتاب ''اغثنی یارسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) مرتب کرنے کا شوق دامن گیر ہوا تو اعلیٰ حضرت اشرفی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کے روحانی فیضان نے میری رہنمائی فرمائی، نیز حضرت مخدوم سلطان اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلطنت کو خیر باد کہنے کی تفصیل کی روداد میرے قلب و روح کو جگمگانے لگی تو فوراً ''اشرف المومنین'' کے نام سے ایک نہایت ایمان افروز رسالہ شائع کرانے کا موقعہ فراہم ہوا اور پھر میں نے مکتبہ قائم کرنے کی ٹھانی تو حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کی نسبت نے دل میں گھر کرلیا، چنانچہ عرصہ تیس سال سے مکتبہ اشرفیہ مرید کے مسلک حق کی اشاعت میں مصروف ہے۔

میرا وجدان کہتا ہے کہ یقیناً میری ان حقیر سی خدمات کو اولیائے اشرفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے منظور فرمالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اپنی نگاہ کرم سے ماہنامہ ''آستانہ'' کراچی کی مجلس ادارت میں اعزازی ڈگری دی اور اس گرانقدر تصنیف میں مجھے چند کلمات شامل کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔

قارئین سے التماس ہے کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کے تفصیلی حالات اور سلسلہ عالیہ اشرفیہ کے شجرہ ہائے نسب وطریقت، آپ کی تاریخی تصنیف ''لطاف اشرف'' میں ملاحظہ فرمایئے جو ۱۹۸۶ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر اہل علم وادب اور

صاحبان عقیدت و محبت سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ممدوح اکابر و اصاغر حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کے سایۂ عاطفت ہم پر ہمیشہ قائم رکھے، آمین۔ بجاہ طٰہٰ، ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین!

طالب دعا

محمد منشا تابش قصوری

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مقدمہ

از پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، بدرِ اشرفیت، حضرت ڈاکٹر شاہ سیّد محمد مظاہر اشرف الاشرفی الجیلانی

ماہنامہ آستانہ کراچی ۱۹۹۲ء سے بہت باقاعدگی کے ساتھ اپنی پوری شان و آن سے تشنگانِ روحانیت کی پیاس بجھا رہا ہے، بلکہ علوم روحانیت و معرفت کا فقید المثال ترجمان ہے۔

آستانہ میں پوری کوشش کے ساتھ سیاسیات کو دور رکھا ہے بلکہ ہر اداریہ ہر مضمون سیاست سے مبرہ ہوتا ہے۔

میں کیونکہ بچپن سے ہی تحریک پاکستان میں حصہ لینے اور اکابرین ملت و قائدین پاکستان کو قریب سے دیکھنے سمجھنے کی سعادت سے بہرہ ور رہا تھا اس کے علاوہ برصغیر کے مشہور و معروف روحانی خاندان، خاندانِ اشرفیہ سے متعلق تھا اس

لئے قائدین سیاست وممتاز علماء ومشائخ سے بھی قربت حاصل رہی تھی۔اس لئے تحریک پاکستان اوراس کی وجوہات جانتے ہوئے جب یہ سننے کوملا کہ قیام پاکستان کاعمل ناموضوع تھاتو دل تڑپ گیا کہ اس ملک جس کو اللہ نے عطیہ کے طور پر عطاء فرمایا تھا جس کے حصول کیلئے لاکھوں جانوں کی قربانی دی گئی تھی کتنی مستورات بیوہ ہوئیں، کتنے بچے یتیم ہوئے، اس کے بنانے والوں کے آنکھ سے اوجھل ہوتے ہی مخالفین پاکستان نے اپنی سی تاویلات کے ذریعہ نئی نسل کوملک کی اساس کے خلاف بھڑکانا شروع کردیا چنانچہ مجبوراً فیصلہ کیا کہ ماہنامہ آستانہ کراچی میں میری یادوں کے نام سے تحریک پاکستان وکوائف وحالات جواس ملک کوحاصل کرنے کی وجہ سے ان کو آشکار کیا جائے اس کے علاوہ اکابرین اسلام علمائے کرام کی زندگیوں سے متعلق نئی نسل کوآگاہ کیا جائے۔الحمدللہ میری یادوں کو پڑھ کرکئی ایک جرائد نے تسلیم کیا کہ ان سے تاریخ پاکستان کی تصحیح کرنے میں مدد ملے گی۔

آج چندناواقف لوگ اپنے ملک کے وہ حادثاتی قائدین کوحضرت قائداعظم محمدعلی جناح سے مشابہہ کہتے نہیں تھکتے ان کے لئے بھی میری یادیں مشعل راہ ثابت ہونگی اب مکتبہ سمنانی نے میری یادوں کو کتابی شکل دے کر ہمیشہ کیلئے محفوظ کرنے کا مستحسن فیصلہ کیا ہے اس سلسلہ میں ہمارے لاہور کے جناب سیّد طاہر اشرفی سمنانی قابل قدر ہیں جن کی مساعئی جمیلہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ سب پڑھنے والوں کو روشنی عطاء فرمائے۔

فقط ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف اشرفی الجیلانی

قیامِ پاکستان
اور قائد کی جدوجہد

ماہِ رمضان المبارک کی 27 ویں شب تھی، دہلی کی جامع مسجد میں شبینہ ختم قرآن کی جماعت نفلوں میں پڑھائی جارہی تھی رحمت الٰہی کا نزول ہر طرف نظر آرہا تھا، سہانی شبنمی رات برکات اور انوار و تجلیات کی بارش تمام روزہ داروں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے آہستہ آہستہ خرامہ خرامہ صبح کی طرف بڑھ رہی تھی، جامع مسجد دہلی جو روئے زمین پر اپنی شان اپنی آن میں یکتائے زمانہ مشہور ہے تمام روزہ داروں سے بھری ہوئی تھی روحانی سرور کیفیات میں قلوب ایمانی طمانیت پارہے تھے اور ربِ ذوالجلال کے حضور سر بسجود ہو کر اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت پیش کررہے تھے اور رب العٰلمین کی بارگاہ بے کس نواز میں اپنے دینی و دنیاوی مقاصد کے حصول کیلئے اور اپنے واپنے گزرنے والے اعزاء کی مغفرت کیلئے دعائیں کررہے تھے۔

ربِّ کعبہ کی طرف سے ملائکہ کی جماعت کا نزول اور روح الامین کی آمد کے ڈنکے بج رہے تھے کہ اتنے میں توپیں چلنے کی آوازیں آئیں اور 12 بجے کے بعد 14 اگست 1947ء کی آمد اور قیام پاکستان کا اعلان ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ خاص تھا جو برصغیر کے مسلمانوں کی دعاؤں کا ثمرہ ایزدی تعالی کی طرف سے عطاء ہوا تھا۔

درحقیقت مسلمانوں اور مسلمان حکمرانوں کی نالائقیوں کے نتیجے میں 1857ء میں مسلمانوں سے اقتدارِ حکومت چھین لیا گیا تھا اور برطانوی سامراج نے بزور اسلحہ آتشیں و شمشیر ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ کرلیا تھا۔

لاکھوں مسلمانوں کو تہہ و تیغ کر کے ارضِ ہندوستان کو سرخ رنگین کردیا تھا، انگریزوں کے قبضہ کرنے کے دوران ہندو مشرکین نے بھرپور طریقے پر انگریزوں کا ساتھ دیا تمام ملک کے مسلمان مظلوم بن گئے ایک ہزار سال تک برصغیر پر حکمرانی کرنے والے مسلمان آج محکوم و مجرم بن گئے تھے، ہندو مشرکین نے مسلمان حکمرانوں کی رواداری انصاف و مروت کو یکسر بھلا کر نئے آقاؤں سے گٹھ جوڑ کرلیا تھا اور انگریزوں کے جبر و استبداد میں برابر کے شریک ہوگئے تھے، دہلی اجڑ گئی تھی۔

تمام مسلمانوں کی املاک نذرِ آتش کی جارہی تھیں مال لوٹا جارہا تھا مسلمان دوشیزائیں ہوا و ہوس کا شکار ہورہی تھیں تمام دینی رہنماؤں کو پھانسی پر لٹکایا جارہا تھا بڑے بڑے مذہبی رہنماؤں کو توپ کے دہانے پر کھڑا کر کے بارودی گولوں سے

اڑایا جارہا تھا، شہنشاہ شاہ جہاں کی آباد کردہ دہلی کی زمین مسلمانوں کے خون سے سرخ ہورہی تھی، فرنگی تلواریں اور آتشیں اسلحہ صرف اور صرف مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جارہا تھا اور مسلمانوں کے مال اور متاع ہندو غنڈوں کے ہاتھوں لوٹا جارہا تھا۔

غرض قیامت صغریٰ کا منظر تھا جب مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی جاچکی، فرنگی اقتدار کو دوام مل گیا اور امن کا اعلان ہوچکا تو بے گھر مسلمان لٹے کٹے جب اپنے گھروں کو واپس آئے تو سب کچھ ختم ہوچکا تھا، بہرحال اللہ کی یہ مخلوق پھر سے آباد ہوئی لیکن نچلے درجے کی رعیت کی حیثیت سے ان کا مقام مقرر ہوا، اقتدار کیونکہ مسلمانوں سے چھینا گیا تھا اس لئے ہر طرح کی اذیت وعتاب انہی پر تھا اقتدار کو دوام دینے کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو بدراہ کرنے اور دین سے دور کرنے کی بڑی شدت سے لاحاصل کوشش کی اور اسی دوران ہندوؤں نے چالاکی سے انگریزوں کی غلامی کو دل سے قبول کرکے ان کی زبان، ان کا معاشرتی طریقہ، طرز زندگی کو اپنا کر انگریز سرکار کا قرب حاصل کیا۔

کیونکہ ہندوؤں کی میتھالوجی یہ ہے کہ جس چیز سے فائدہ ہو اس کو خدا مان لو اور جس سے خوف آئے اس کو خدا مان لو ہندو شاستر میں لکھا ہے کہ اصل ہندو وہ ہے جب بولے جھوٹ بولے کسی سے معاہدہ کرے اس کو پورا نہ کرے جب طاقت میں ہو تو مقابل کو کچل دے جب معذور ہو تو پاؤں پکڑ کر خود کو بچالے۔

انگریزوں کے غاصبانہ قبضہ کے بعد ہندوؤں نے مذکورہ بالا روایات کے مطابق سامراجیوں کو خدا بنالیا اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو ہر قدم پر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہے، مغلیہ دور تک ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف دو فرقے تھے ایک شیعہ دوسرا جس کی غالب اکثریت تھی وہ سنّیوں کی تھی، انگریزوں نے مسلمانوں پر حکومت کرنے کے لئے مسلمانوں میں فرقے پیدا کئے ایک طرف عبدالوہاب نجدی جو سامراجیوں کا ایجنٹ تھا اس کے پیروکاروں کو آگے بڑھایا اور مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بنا کر پیش کیا۔

ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں نے انگریزوں کی ملازمت ان کی زبان سیکھنا حرام قرار دیا دوسری طرف مسلمانوں کے دین کو بچانے کیلئے اپنے مدارس میں دینی تعلیم کو کسی نہ کسی طرح محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی، غرض مسلمان عجیب کشمکش کا شکار تھے ایک طرف دین کو بچانے کی کوشش دوسری طرف انگریز حکمرانوں سے سخت نفرت کا اظہار ان حالات سے فائدہ اٹھا کر ہندوؤں نے انگریز سرکار کا قرب حاصل کرکے ان کی مرضی سے انڈین کانگریس کی بنیاد رکھی اور انتہائی چالاکی سے اس میں مسلمانوں کو بہکا کر شریک کرلیا مسلمان سیاسی طور پر یتیم تھے۔اس لئے کچھ تو انجانے طریقے پر کانگریس میں شامل ہوگئے اور باقی لوگوں کو مدرسہ دیوبند کے علماء جو وہابی مسلک سے تعلق رکھتے تھے ان علماء اور ان کے پیروکاروں کو کانگریس میں شامل کیا گیا تاکہ انگریزوں کے ہندوستان سے جانے کے بعد اقتدار

ہندوؤں کے ہاتھ آجائے اور وہ بلا شرکت غیرے پورے ہندوستان کے مالک بن جائیں، ایسے ہی خطرناک دور میں سر سیّد احمد خان، ڈپٹی نذیر احمد جیسے دور اندیش رہنماؤں نے یہ محسوس کیا کہ اگر مسلمان انگریزی سے نابلد اور انگریزوں سے دور رہے تو آئندہ تمام مسلمانانِ ہند ہندوؤں کے غلام ہو جائینگے۔

چنانچہ انہوں نے مذہبی رہنماؤں کی مخالفت اور کفر کے فتوؤں کے باوجود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی قائم کی اور مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے، سرکاری ملازمتوں میں حصہ لینے کی ترغیب دی، انگریزوں کی سلطنت دنیا میں پھیلی ہوئی تھی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی ذہنیت ان کی معاشرت اور تہذیب ان کی زبان میں بات کرنے والا ہی ان سے نمٹ سکتا تھا۔

چنانچہ 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم کی گئی یہ بظاہر مسلمانوں کی جماعت تھی لیکن ہندو کانگریس کا مقابلہ نہ تھا اور مسلمانوں کا کوئی صحیح اور خاص رہنماء نہ ہونے کی وجہ سے اکثر مسلمان کانگریس کے سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے لگے۔

اسی دور میں قائداعظم محمد علی جناح اپنی وکالت میں مہارت کی وجہ سے شہرت پا چکے تھے۔ قائداعظم نے جب سیاست میں قدم رکھا تو بظاہر سب سے بڑا پلیٹ فارم سیاسی طور پر کانگریس کا پلیٹ فارم تھا چنانچہ انہوں نے بھی انڈین کانگریس میں شرکت کر لی لیکن قائداعظم محمد علی جناح کو صرف مسلمانوں کا مفاد عزیز تھا اور وہ چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں لیکن وہ جانتے تھے کہ ایسے حالات

میں اگر انگریز ہندوستان سے گئے تو تمام اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ آ جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے ایک طرف یہ کوشش کی کہ انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے ہندو مسلم اتحاد ہو جائے دوسری طرف یہ کوشش کی کانگریس مسلمانوں کی حکومت میں ان کی حیثیت کے مطابق مقام دے ان کے مفادات کا تحفظ کا عندیہ دے۔

گاندھی جو بظاہر مہاتما بنا ہوا تھا اندرون خانہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور تمام ہندو لیڈر اس کو اپنا متفقہ رہنماء مانتے تھے اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ علماء دیوبند وہابی مسلک سے تعلق رکھتے تھے یہ سب گاندھی کو رہنماء مانتے تھے جن میں مولوی ابوالکلام آزاد، مولوی حسین احمد ٹانڈوی مدنی، مولوی حفظ الرحمٰن، مولوی احمد سعید دہلوی، مفتی کفایت اللہ وغیرہ وغیرہ۔

جب قائداعظم نے مسلمانوں کے حقوق کے لئے مشہور 14 نکات پیش کئے تو نہرو رپورٹ میں ان کو یکسر نظر انداد کر دیا گیا تھا، آخر قائداعظم سمجھ گئے کہ ہندو مسلمانوں کو نچلے درجے کا شہری بنانا چاہتے ہیں تو انہوں نے مجبوراً کانگریس کو خیر باد کہا اور آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اسی دور میں علامہ محمد اقبال نے جو ایک پر درد دل رکھتے تھے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو اپنی نظموں میں پیش کر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کر رہے تھے وہ بھی فرنگی زبان، ان کے معاشرے سے واقف تھے اور ہندو چالوں سے آگاہ تھے۔

انہوں نے اپنے پر اثر کلام اور رسل و رسائل کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کی پشت پناہی کی، جب قائداعظم نے جو ایک مکمل انگلستانی معاشرے کے نمائندے تھے، طرزِ زندگی، زبان، لباس سب کچھ انگریزوں کی طرح تھا لیکن دل پکا مسلمان تھا اور ہر ہر قدم پر وہ مسلمانوں کو ہندو کانگریس اور برطانوی سامراج کی شاطرانہ چالوں سے بچانے کی جدو جہد کر رہے تھے۔

انگریز کی آنکھ میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا ان کو ایسا سلیقہ آتا تھا جو برصغیر میں کسی رہنماء کو نہ آتا تھا چنانچہ اس موقع پر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے طلباء مسلم لیگ کا ہراول دستہ بن گئے اور علی گڑھ کے گریجویٹ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

نوابزادہ لیاقت علی خان ان سب میں نمایاں تھے جو نواب رستم علی خان کے بیٹے اور بہت بڑی جاگیر کے مالک بھی تھے اس کے علاوہ انگریز کے دیار میں آکسفورڈ یونیورسٹی سے وکالت کی ڈگری لے کر آئے تھے قائداعظم نے ان کو آل انڈیا مسلم لیگ کا جنرل سیکریٹری مقرر کیا جنگ عظیم دوم کے بعد انگریز اور ان کی سلطنت کمزور ہو گئی تھی چنانچہ ہندو کانگریس نے پورے ہندوستان پر اپنی بادشاہت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا ہر طرف بندے ماترم کے ترانے گائے جانے لگے، اس وقت برصغیر کی کل آبادی 40 کروڑ تھی اور مسلمانوں کی جمعیت دس کروڑ تھی، ہندو کانگریس نے انگریزوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کانگریس ہندو مسلمانوں کی

واحد نمائندہ جماعت ہے لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کی مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر کے کانگریس کا یہ خواب پریشان کر دیا۔

جب گاندھی نے اعلان کیا کہ برصغیر میں صرف دو طاقتیں ہیں ایک انگریز دوسری کانگریس تو قائداعظم نے للکار کر کہا کہ ایک تیسری طاقت بھی ہے اور وہ مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ ہے جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے ہندوؤں نے جب یہ سنا تو یہ بیخ پا ہو گئے اور ہندوستان میں ہندو مسلم فساد برپا کر دیا۔ مسلمانوں کو قتل کرنا ان کے مال کو لوٹنا ان کا وطیرہ بن گیا بہر حال یہ مضمون تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اختصار کے ساتھ حالات کو قلمبند کر رہا ہوں، چنانچہ جب برصغیر کے مسلمان آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہونے لگے اور الیکشن میں مسلم لیگ نے نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی، تو جہاں ہندو اکثریتی صوبے تھے وہاں انگریزوں نے ہندوؤں کو حکومت بنانے کی اجازت دی یعنی صوبائی حکومت جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے اپنی صوبائی حکومتوں میں بسنے والے مسلمانوں پر ظلم کی انتہاء کر دی۔

ان کو زبردستی ہندو بنانے کی کوششیں تیزی کر دیں، مسلمانوں کو ملیچھ اور پلیدی کا تمغہ دیا، ہندوؤں کے اس طرز عمل نے مسلمانوں کو ہوش دلایا کہ ہندو اگر پورے برصغیر پر قابض ہو گئے تو نہ مساجد میں نماز پڑھ سکیں گے، نہ گائے کی قربانی کر سکیں گے، نہ اپنے دینی اُمور بہ آسانی نمٹا سکیں گے۔

چنانچہ ہندوؤں کے جبر و استبداد سے بچنے کیلئے علامہ محمد اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں نظریہ پیش کیا جن صوبوں میں مسلم اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنی مذہبی رسومات ادا کرسکیں۔ 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے لاہور میں منٹو پارک موجودہ اقبال پارک میں ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا۔ جس میں پہلی بار قرارداد پاکستان منظور کی گئی اس اجلاس میں برصغیر کے تمام مسلمانوں کی نمائندوں نے شرکت کی تھی چنانچہ اب کاروانِ ملت قائداعظم کی قیادت میں اپنی مقرر کردہ منزل کی طرف رواں دواں ہوا تمام ہندوستان میں ہندوؤں نے تحریک پاکستان کے خلاف دامے درمے، سخنے قدمے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ پاکستان نہ بن سکے۔

اس سلسلہ میں علمائے دیو بند نے قائداعظم کو کافر اعظم کہنا شروع کردیا، جماعت اسلامی کے مولوی مودودی نے بھی قائداعظم کو کافر اعظم قرار دیا، صوبہ سرحد کے عبدالغفار خان، ولی خان کا باپ جو سرحدی گاندھی کے نام سے موسوم تھا، مفتی محمود جن کا بیٹا مولوی فضل الرحمٰن (موجودہ قائد حزب اختلاف) نے پاکستان بنانے کی راہ میں روڑے اٹکائے، غرض ہر طرف ہندو کانگریس اور اس کے ایجنٹوں نے پاکستان کی تحریک کی شدومد سے مخالفت کی، علمائے اہلسنّت (بریلوی مسلک) نے بنارس میں سنی کانفرنس حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھویؒ کا شہرۂ آفاق خطبہ آج بھی قابل عمل اور باعث رہنمائی ہے۔ پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کی۔

اب برصغیر کے تمام مسلمان جن کی غالب اکثریت سنی تھی وہ پاکستان بنانے کیلئے ہمہ تن مصروف ہوگئے، 7 سال تک جدوجہد اور عظیم قربانیاں پیش کی گئیں، قائداعظم نے 46ء کے آل انڈیا انتخابات کیلئے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ پیش کیا انہوں نے فرمایا کہ ہماری تہذیب الگ، ان کی تہذیب الگ، ہماری زبان الگ، ان کی زبان الگ، ہمارا مذہب الگ، ان کا مذہب الگ، ہماری کتاب الگ، ان کی کتاب الگ، ہمارا معاشرہ الگ، ان کا معاشرہ الگ، جب ہم ہر چیز میں ایک دوسرے سے الگ ہیں تو پھر ایک بیلٹ باکس میں ایک ساتھ کیوں ہوں۔

قائداعظم نے فرمایا کہ ایک ہزار سال ہم ہندوستان میں ایک ساتھ رہنے کے باوجود ایک معاشرہ نہ بناسکے تو اب ایک قوم کیسے بن سکتے ہیں انہوں نے کہا ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں ایک ہندو اور دوسری مسلمان، ہندوؤں کی نمائندہ جماعت کانگریس اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے، چنانچہ 1946ء میں جداگانہ انتخاب کے ذریعہ مسلم لیگ نے مسلم اکثریتی صوبوں میں سو فیصد ووٹ حاصل کئے اور انگریزوں کو ماننا پڑا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

اس طرح مطالبہ پاکستان کو مان لیا گیا اور جون 1946ء میں آل انڈیا ریڈیو سے وائسرائے ہند، جواہر لال نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کیا اس طرح تمام پراسیس مکمل ہوکر 7 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیشہ

ہمیشہ کیلئے ہندوستان کو خیر باد کہہ کر کراچی تشریف لائے اور 14 اگست 1947ء کو بحیثیت گورنر جنرل کا حلف اٹھایا اور وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ملکہ برطانیہ کی طرف سے اختیارات منتقل کئے۔ قائداعظم نے لیاقت علی خان کو پاکستان کا پہلا وزیراعظم مقرر کیا جو 16 اکتوبر 1951ء میں راولپنڈی میں ایک اندرون خانہ سازش کے تحت قتل کر دیئے گئے۔

پاکستان ماہِ رمضان 27 ویں شب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عطیہ ملا ہے جو کہ دنیا میں پہلا ملک ہے جو اسلام کے نام قائم ہوا ہے جب پاکستان قائم ہوا تو یہ دنیائے اسلام کا سب سے بڑا ملک تھا لیکن بعد کی لیڈر شپ کی خودغرضی اور انا نے ملک کو دولخت کر دیا اور اب بھی یہ دنیا کا 5 واں بڑا اسلامی ملک ہے لیکن الحمدللہ آج یہ دنیائے اسلام کا واحد اٹامک پاور اور ٹیکنالوجی میں بھی تمام اسلامی ممالک سے آگے ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ قائداعظم کے اس پاکستان کو اتحاد، تنظیم، یقین محکم کے تحت قائم رکھنے کی کوشش کریں، یہ ملک اللہ نے عطاء کیا ہے اور وہ ہی اس کی حفاظت کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔

پاکستان پائندہ باد

۱۹۵۶ءکل پاکستان مسلم لیگ کے صدر سردار عبدالرب نشتر کی زیرِ صدارت جہانگیر پارک کراچی میں صاحب صدر کے سامنے یہ نظم پڑھی گئی جس کو جلسہ عام نے بہت پسند کیا۔

ہمارے قائداعظمؒ

ہمارے قائد اعظم
ہمارے محسن اعظم
تمہاری رہبری میں نعمت عظمیٰ ملی ہم کو
تمہارا دم قدم ہر دم
ہمارے قائد اعظم
ہمارے محسن اعظم
تمہاری قوت ایمان سے یکجا ملت بیضا
ہوئے تھے سب کے سب ہمدم
ہمارے قائد اعظم
ہمارے محسن اعظم
ہزاروں رہنما ہیں آج ہم میں سب زبانوں کے
ہیں خالی ذہن سے بے غم

ہمارے قائد اعظم
ہمارے محسن اعظم
وہ ہی ہیں باغ کے مالی وہ ہی ہیں والیٔ گلشن
ہے جن کو دشمنی گل سے
ہمارے قائد اعظم
ہمارے محسن اعظم

میری یادیں

۱۹۴۵ء کا سال تھا میری عمر ۷ سال تھی لیکن الحمداللہ بچپن سے شعور کافی رہا ہے۔ اس زمانے میں پورے ہندوستان میں مسلم لیگ کا زور شور تھا، تقریباً تمام مسلمان مسلم لیگ کے حامی تھے لیکن کچھ مسلمان جو حقیقتاً دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتے تھے وہ کانگریس کے دلدادہ تھے وجہ یہ تھی کہ دیوبندی مولویوں کے ابوالکلام آزاد سرخیل تھے، حسین احمد ٹانڈوی عرف مدنی، مولوی احمد سعید جو قبلہ والد صاحب کا کلاس فیلو تھا۔ حبیب الرحمٰن اور دیگر دیوبندی علماء سب مل کر پاکستان بنانے کے خلاف ملک گیر مہم پر تھے لیکن مسلم لیگ کا ایک نعرہ تھا مسلم ہو تو مسلم لیگ میں آؤ اور قائداعظم کی باکردار پرکشش شخصیت اور سنی علماء جو بریلوی مسلک سے متعلق تھے، وہ سب پاکستان بنانے کی کوششوں میں سرگرم تھے بات یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے مسلمانوں میں دوقومی نظریہ کو اس قدر واضح انداز میں جاں گزیں کردیا تھا کہ سنی مسلمان اب ہندوؤں کے ساتھ معاملات قائم رکھنے پر تیار نہ تھے اور شاید قائداعظم جو قوم کے بہترین نباض تھے انہوں نے اس حقیقت کو پہچان لیا تھا کیونکہ قائداعظم پہلے کانگریسی تھے اور کافی عرصہ کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے تھے اور اسی لئے ان کو ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر جیسا خطاب بھی مل چکا تھا لیکن دراصل اعلیٰ حضرت

فاضل بریلوی کی نگاہ بصیرت نے بہت پہلے دیکھ لیا تھا کہ ہندو پلید ہیں ان کو قرآن نے پلید کہا ہے تو اعلیٰ حضرت نے اپنی تمام زندگی جہاد حقا اہلسنّت کے مسلک کی اشاعت میں پورے شدومد کے ساتھ اپنی تلوار جیسی کاٹ والی قلم استعمال فرمائی وہاں ملکی سیاست سے بھی بے خبر نہ رہتے ہوئے ہر ہندو حربہ جو درحقیقت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور غلام بنانے کیلئے ہوتا تھا، اپنی قوت تحریر سے ناکام بنایا اور ہندو ذہنیت کو پورے طور پر آشکار فرمایا چنانچہ آخر کار قائداعظم جو متحدہ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے سب سے نمایاں رہنماء تھے ان کو بھی اعلیٰ حضرت کا پاکیزہ موٴقف ماننا پڑا ہوا یوں پنڈت موتی لال نہرو نے ایک رپورٹ تیار کی جس میں مسلمانوں کے حقوق کو غصب کیا گیا تھا جس پر قائداعظم نے اپنا 14 نکاتی فارمولا پیش کیا جس کو کانگریس کے زعماء نے مسترد کردیا۔ درحقیقت ہندو ذہنیت کا یہ کمال رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتے چنانچہ اس رپورٹ نے قائداعظم پر بہت اثر کیا، اور آخر قائداعظم کو اپنا موٴقف تبدیل کرنا پڑا۔ ہمارے قبلہ والد صاحب شاہ سیّد محمد طاہر اشرف اور خاندان سادات کچھوچھا شریف پورا کا پورا کھل کر مسلم لیگ کا ساتھ دے رہا تھا۔ ایک مرتبہ دہلی میونسپل کارپوریشن کے انتخابات ہونے والے تھے اس انتخاب کیلئے مسلم لیگی اور کانگریسی زعماء و رہنما اب گلی گلی کوچہ کوچہ پھر کر مسلمانوں کو اپنے اپنے نمائندوں کیلئے کنویسنگ کر رہے تھے ایک روز ہمارے محلّہ کی مسجد جس میں والد صاحب قبلہ جب گھر پر ہوتے تو نمازیں

ادا فرماتے تھے بعد نماز مغرب مسجد میں تشریف فرما تھے کہ مولوی احمد سعید دہلوی مع اپنے چیلوں چپاٹوں کے آئے تاکہ مسجد میں نمازی مسلمانوں کو کانگریسی نمائندہ کے حق میں ووٹ ڈالنے کیلئے تیار کر سکیں۔ والد صاحب قبلہ نے بہت زوردار انداز میں فرمایا مولوی آج تم کیسے ووٹ کیلئے بھیک مانگتے پھر رہے ہو۔ تمہارے دیوبندی علماء نے تو فتویٰ دیا تھا کہ انگریزی ملازمت حرام۔ انگریز کے ساتھ بیٹھنا حرام مسلمانوں کو لاکھوں کی تعداد میں ترک موالات کے نام پر بے گھر کر دیا ملک بدر کر دیا، مالی و جانی نقصانات سے دوچار کیا آج تم انگریز کے مقرر کردہ انتخاب کیلئے جھولی پھیلا کر ممبری کیلئے بھیک مانگتے پھر رہے ہو تمہیں شرم نہیں آتی۔ والد صاحب کی گفتگو سن کر مولوی احمد سعید فوراً بھاگ گئے۔ ایک روز میں سو رہا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی کیونکہ باہر سے زبردست کسی چیز کے زمین سے ٹکرانے کی آواز آئی تھی بلکہ سارے محلے والے جاگ گئے۔ میں جلدی سے اپنے گھر کی دوسری منزل سے بھاگ کر نیچے آیا تو تمام گھر روشن تھا۔ والدہ نے فرمایا کہ تمہارے والد کو خاکسار تحریک کے رہنما علامہ مشرقی ملنے آئے ہیں اور باہر خاکساروں نے ہمارے گھر پر مسلم لیگی جھنڈا جو لہرا رہا ہے اس کو سلامی دی ہے میں جلدی سے باہر گیا تو باہر بیٹھک میں قبلہ والد صاحب اور علامہ مشرقی محو گفتگو تھے باہر کم از کم ۱۰۰ خاکسار اپنے بیلچے جو چمک رہے تھے ہاتھوں میں لئے تھے اور خاکی وردی میں ملبوس ہمارے گھر کے سامنے مستعد کھڑے تھے اور بہت سارے پھول بکھرے پڑے تھے۔ خاکسار

تحریک بہت زبردست تحریک تھی علامہ مشرقی (عنایت اللہ) بڑے منظم شخص تھے انہوں نے اپنے تنظیم کے قواعد کی خلاف ورزی پر بڑے بڑے نوابوں، افسروں کو جو اس تحریک سے منسلک تھے ان کو سزا دی تھی بہر حال کچھ دیر بعد جب علامہ عنایت اللہ مشرقی اور والد صاحب باہر تشریف لائے تو ایک مرتبہ پھر خاکساروں نے بیلچے زمین پر مار کر سلامی پیش کی اور پھر علامہ صاحب والد صاحب سے مل کر واپس روانہ ہوئے ان کے تمام وردی میں ملبوس خاکسار بہت شاندار طریقے پر ۴۔۴۔ کی ٹکڑیوں میں واپس روانہ ہوئے اس وقت خاکسار مسلم لیگ کے ساتھ تھے۔ بعد میں علامہ مشرقی نے اپنے مطالبہ کو پورا نہ ہوتے دیکھ کر مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کرلی اور ایک روز ایک خاکسار نے قائداعظم پر قاتلانہ حملہ بھی کردیا، جس سے قائداعظم معمولی زخمی ہوئے اس دوران مسلمانانِ برصغیر میں مسلم لیگ سے اس قدر لگاؤ پیدا ہو چکا تھا کہ ہر محلّہ میں ہر گلی میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی باقاعدہ تنظیم قائم تھی اس کی نمایاں خوبی یہ تھی کہ ہر نیشنل گارڈ قائداعظم کے ایک معمولی اشارہ پر بھی اپنی جان دینا عبادت سمجھتا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح ایک باکردار، باوقار، بااصول، منظم اور بے باک رہنما تھے۔ قائداعظم نے سیاست میں کافی دیر سے حصہ لیا جب ایک مرتبہ کسی نے ان سے تاخیر سے سیاست میں حصہ لینے کی وجہ دریافت کی تو قائداعظم نے کہا کہ میں نے سیاست میں آنے سے قبل پہلے اپنی معاشی حالت بہتر بنائی تاکہ سیاست میں منہمک ہونے کے بعد معاشی مسئلہ پریشان نہ کرے۔ جب میں نے

دیکھا کہ اب اگر میں کچھ کمائے بغیر یا بیرسٹری کی پریکٹس کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں تب میں نے سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا قائداعظم بہت بڑے انگریزی کے خطیب تھے۔ان کا انداز خطابت چرچل سے بہت مشابہ تھا ان کا لہجہ بہت پراثر تھا ان کی آواز گرجدار تھی لیکن یہ اسقدر دبلے پتلے تھے کہ ان کے جسم پر مردانہ بنیان فٹ نہ آتا تھا، بلکہ بقول چوہدری محمد علی زنانہ بنیان زیر قمیض پہنتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں ایک بچہ مسلم لیگ نیشنل گارڈ بھی بنی تھی جس میں ۷۔۸ سال کے بچوں سے ۱۲ سال کی عمر تک کے بچے ہوتے تھے اور یہ منی منی سیاہ جناح کیپ سروں پر جسم پر گہری ہری قمیض اور سفید شلوار یا پاجامہ پہن کر باقاعدہ پریڈ کرتے تھے۔ نیشنل گارڈ میں اردو کو رواج دیا گیا تھا اس میں رائٹ ٹرن کو دائیں گھوم اور لیفٹ ٹرن کو بائیں گھوم کہا جاتا تھا۔ جب قائداعظم نے مسلم لیگ کے الیکشن کیلئے لوگوں سے چندہ مانگا تو قوم نے بھرپور ساتھ دیا۔ مجھے یاد ہے کہ لوگ ڈبوں میں ۵ روپیہ ۲/۱ ۲ روپے کے کوائن جمع کر کے ان کو پارسل کرتے یا نوٹوں کا منی آرڈر بھیجتے تو قائداعظم ان رجسٹریوں کی رسید پر خود دستخط کر کے واپس کرتے اور خود وصول کرتے۔لوگوں نے جب ان سے کہا کہ آپ بہت مصروف ہیں یہ وصولی کا کام کوئی اور کر لے گا تو قائداعظم نے کہا نہیں میں خود وصول کر کے رسیدوں پر دستخط کرونگا اور میرے دستخط قوم کیلئے سرٹیفکیٹ سے کم نہ ہونگے۔ میں نے 7 سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کر کے (ناظرہ) سے فارغ ہو چکا تھا میرے دوسرے بھائی سید

طیب اشرف (مرحوم) اور مجھے ایک دینی مدرسہ صدیقیہ کھاری باؤلی پھاٹک حبش خان میں داخل کر دیا گیا جہاں ہم دونوں نے دینی تعلیم باقاعدہ شروع کی جبکہ میں اس سے قبل اپنے ماموں مولانا محمد نسیم احمد خطیب جامع سنہری مسجد متصل گھنٹہ گھر چاندنی چوک سے فارسی کی ابتدائی کتب پڑھتا رہا تھا۔صدیقیہ مدرسہ اس لحاظ سے بہتر تھا کہ یہاں عربی و فارسی کی گرائمر بہت عمدہ طریقہ سے پڑھائی جاتی تھی یہاں یہ بتا تا چلوں کہ میرے والد حضرت قطب ربانی سید شاہ محمد طاہر اشرف جیلانیؒ ایک پائے کے عالم دین اور بے مثال خطیب تھے لیکن والد صاحب کیونکہ سیاح ہند تھے مختلف شہروں میں پروگرام پر انہیں بلایا جاتا تھا اسکے علاوہ ایک زبردست ولی کامل بھی تھے۔وہ ہمیں اتنا وقت نہیں دے سکتے تھے کہ خود علم پڑھا سکیں۔والد صاحب کا ارادہ تھا کہ ابتدائی کتب اور عربی و فارسی کی گرائمر سے خاص واقفیت کے بعد ہم دونوں کو مراد آباد میں جامعہ نعیمیہ جو حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین اشرفی مدظلہ نے قائم کر رکھا تھا وہاں تعلیم کیلئے بھیج دیں گے۔ ہمارا تعلق کیونکہ خاندان اشرفیہ کچھوچھا شریف سے ہے اور مولانا نعیم الدین اشرفی اعلیٰ حضرت شاہ سید محمد علی حسین اشرفی جیلانیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے ایک مرتبہ فراش خانہ دہلی میں سالہا سال منعقد ہونیوالی محفل میلاد میں شرکت کیلئے حضرت محدث اعظم ہندؒ اور مولانا نعیم الدین اشرفی صاحب تشریف لائے ہوئے تھے والد صاحب کی مدعو کردہ دعوت میں ہمارے گھر پر تشریف لائے۔تو اس وقت والد صاحب نے مولانا سے ہم

دونوں کیلئے گزارش کی کہ انکو جامع نعیمیہ مراد آباد میں داخل فرمالیں مولانا نے فرمایا تھا کہ پہلے ان کو ابتدائی تعلیم دہلی میں دلائی جائے بعد میں ہمارے ہاں بھیج دیں کیونکہ بچے چھوٹے ہیں۔

فرمانے لگے وہ بڑے صاحبزادے سید طیب اشرف کو ابھی ہم لے لیں گے البتہ چھوٹے صاحب کو ۲ سال بعد داخل کرینگے۔ بھائی طیب اشرف حفظ قرآن کی تعلیم حاصل کررہے تھے اور ابھی انکا حفظ کرنے کا کچھ حصہ باقی تھا چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ انشاءاللہ ۲ سال بعد مراد آباد بھیج دیا جائیگا اس وقت تک کیلئے صدیقیہ مدرسہ میں داخل کردیا گیا یہ واقعہ ۱۹۴۶ء کا تھا جب بنارس سنی کانفرنس بنارس میں منعقد ہوچکی تھی والد صاحب قبلہ سنی کانفرنس دہلی کے سربراہ تھے ہمارا سارا گھرانہ مسلم لیگ سے وابستہ تھا قائداعظمؒ بچوں کو بہت پیار کرتے تھے میں اکثر جناح کیپ اوڑھتا تھا جس پر قائداعظم کی تصویر کا بلہ یا بیج لگا ہوتا تھا اس وقت ہمیں انگریزی نہیں آتی تھی میرے چچا کیونکہ وکیل تھے تو وہ انگریزی میں بات کرلیا کرتے تھے قائداعظم اتنا ضرور کہتے تم کیسا ہو! اچھا ہو۔اس دور میں مسلم لیگ بہت زورشور سے منظم ہورہی تھی فاطمہ جناح عورتوں میں مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لئے عورتوں کی مجالس میں شرکت کرکے عورتوں کو مسلم لیگ میں شامل کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔
قائداعظم کی کوٹھی اورنگ زیب روڈ پر واقع تھی قائداعظم کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہم جیسے بہت لوگ انکی کوٹھی کے سامنے جاکر بیٹھ جاتے تھے

قائداعظم کی کوٹھی میں فرنٹ پر دوطرف ۲ گول کمرے تھے درمیان میں کاری ڈور تھا تو جب قائداعظم ایک گول کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتے تھے تو سامنے بیٹھے لوگوں کو دیکھ کر مسکرا کر چیئر کرتے تھے اور چلے جاتے تھے ہم سب خوش ہوکر آجاتے تھے کہ قائداعظمؒ کی زیارت کرلی۔ ہمارے چچا سیّد سلطان اشرف دہلی میں علاقائی مسلم لیگ کے صدر رہتے تھے ان کا اکثر خان لیاقت علی خان کے ہاں جانا ہوتا تھا۔ یہ وکیل بھی تھے اور پریکٹس کرتے تھے تو کئی مرتبہ یہ کھانا پکوا کر گل رعناء جو لیاقت علی خان کا گھر یا کوٹھی تھی اور مسلم لیگ کا مرکزی دفتر تھا یہاں اکثر قائداعظم تشریف لاتے تھے لے جاتے تھے اور تمام دفتر کے لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے، چچا سیّد سلطان اشرف شہید کو ہمارے والد صاحب قبلہ نے دادا جان مرحوم کے وصال کے بعد پالا تھا کیونکہ دادا کے وصال کے وقت یہ صرف ٦ سال کے تھے۔ یہ بہت سوشل تھے مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ ہمارے بھائی بھی اور میں اپنے بچپنے کے باوجود مسلم لیگ کے جلسوں جلوسوں میں بھرپور حصہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے محلے میں مکانات فروخت ہورہے تھے جو شاید ۱۲۵ گز یا ۵ مرلے کے ہونگے تو ان کی قیمت مبلغ پانچ سو روپیہ فی مکان تھا۔ والدہ نے والد صاحب قبلہ سے کہا کہ آپ برابر کے تین مکانات خرید لیں کیوکہ اتنی رقم تو ہمارے پاس ہے لیکن والد صاحب نے فرمایا ہمیں ہجرت کرنا ہے اور وقت آرہا ہے جب ہمیں اپنا مکان وطن سب چھوڑنا پڑیگا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت اس قدر سستا دور تھا کہ ایک روز میں

میرے دو بڑے بھائی یعنی بھائی سیّد احمد اشرف جو قبلہ والد صاحب کے سجادہ نشین تھے دوسرے بھائی سیّد طیب اشرف جو بنگلور میں شادی کر کے وہیں مقیم ہوئے اور آخر وہیں وفات پائی ہم تینوں جامع مسجد دہلی کے سامنے سے ایک بھیڑ سوا روپیہ میں خرید کر لائے۔ یہ بچہ دینے والی تھی گھر پر دادی اماں نے سخت اعتراض کیا تو ہم واپس جا کر ۲/۱ ا روپیہ کی فروخت کر کے ۴ آنہ نفع کما کر ۳ آنے میں تینوں بھائیوں نے قلمی بڑے (دہی بڑے، لونگ چڑے کباب) کھا کر پیٹ بھرا اور ایک آنہ نفع بچا کر لائے۔ تو میں ذکر کر رہا تھا مسلم لیگ نے مطالبہ کر رکھا تھا کہ جداگانہ انتخاب ہوگا جب قائداعظم سے پوچھا گیا کہ جداگانہ انتخاب کیوں تو انہوں نے بڑی عددی تشریح کی فرمایا ہماری زبان الگ، ہمارا مذہب الگ، ہماری تہذیب الگ، ہمارا معاشرہ الگ، ہمارا رہن سہن الگ، ہمارا کھانا پینا الگ اور جب ایک ہزار برس تک ایک ساتھ رہنے کے باوجود ہم ایک نہ ہو سکے تو ضروری ہے کہ ووٹنگ کے ڈبے ایک ہوں؟ قائداعظم کے دلائل ایسے ہوتے تھے کہ سامنے والا لاجواب ہو جاتا تھا وہ اکثر فرماتے تھے میرے دلائل میرے ہتھیار ہیں۔ آج کل نئی نسل اور نوعمر پاکستانیوں کو معلوم نہیں ہے کہ پاکستان بننے کے محرکات اور وجوہات کیا تھیں اور برصغیر کے تمام مسلمانوں نے مل کر پاکستان بنایا ہے، ورنہ پنجاب، سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد اگر الگ سے چاہتے تب بھی پاکستان نہ بنتا۔ اصل قربانیاں ان مسلمانوں نے دی تھیں جنکا علاقہ موجودہ پاکستان میں شامل نہیں ان لوگوں کو کیا پتہ کہ قربانی کیا ہوتی

ہے جن کو بیٹھے بٹھائے ایک آزاد ملک مل گیا درحقیقت پاکستان بننے کی تین خاص وجوہات تھیں۔

(ا) انگریز دوسری جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد اس قابل نہ رہا تھا کہ اتنی وسیع وعریض سلطنت کو سنبھال سکتا تو اس نے اپنی زیر نگیں نوآبادیات ختم کرنے اور آزاد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

(۲) ہندو اپنی تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے یہ برداشت ہی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے اقتدار میں ان کی تعداد کے لحاظ سے حصہ دار بنائے اور یہ بات اس وقت بالکل صاف ہوگئی جب ۴۰ء کے الیکشن میں کچھ علاقوں میں ہندو مکمل طور پر غالب اکثریت حاصل کرنے کی وجہ سے صوبائی حکومت بنانے کے قابل ہوئے اور ان کی حکومتیں بنیں تو انہوں نے بندے ماترم کے ترانے زبردستی نافذ کیے، مسلمانوں کو زبردست اذیتیں دیں مسلمانوں کو نچلے درجے کا انسان بنادیا قتل و غارت گری عام کردی۔ مسلمان عورتوں کو بے عزت کرنا عام دستور ہوگیا تو برصغیر کے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں انہوں نے یہ سوچا کہ ابھی انگریزی اقتدار باقی ہے ان کا اقتدار صرف صوبائی سطح پر ہے جب یہ حال ہے تو اگر ان کا مکمل اقتدار پورے ملک پر قائم ہوگیا تو کیا ہوگا۔ ہندو کانگریس نے بہت زور سے کہا تھا کہ ہندوستان میں صرف ۲ طاقتیں ہیں ایک انگریز دوسری ہندو۔ تو قائداعظم نے للکارا یہ جھوٹ ہے انہوں نے کہا ۳ قوتیں ہیں انگریز، ہندو اور مسلمان۔ مسلمان اقلیت

نہیں بلکہ ایک قوم ہے۔ ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ تھی اس وقت مسلمان دس کروڑ تھے۔ قائداعظم اور مسلم لیگی زعماء نے ملک بھر میں اپنے عمل اور کردار و گفتار سے تمام مسلمانوں میں مسلم قومیت کی روح پھونک دی تھی۔ یہ حقیقت شاید اب لوگ بھول گئے ہیں کہ خان لیاقت علی خان جو مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری اور قائداعظم کے دست راست تھے ان کو تقریر کرنے کا فن علامہ مولانا عبدالحامد بدایوانی اور علامہ احمد نے سکھایا تھا۔ لیاقت علی خان بعد میں اردو کے ایک عظیم خطیب بن گئے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں ایک روز میرے والد صاحب قبلہ کے پاس ایک خط موصول ہوا یہ خط حضرت ابوالحامد سیّد محدث اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہ نے لکھا تھا اور والد صاحب کو آل انڈیا بنارس سنی کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ ہو سکے تو اپنے تمام معتقدین، مریدین کو بھی شرکت کی دعوت دیں۔ میں اس وقت کیونکہ صرف ۸ سال کا تھا اور قرآن پاک حفظ کر رہا تھا مجھ سے بڑی بھائی طیب اشرف حافظ قرآن ہو چکے تھے اور والد صاحب نے ان کو ساتھ لیا اور تمام مریدان کو فرمان جاری کیا کہ سب سنی کانفرنس میں شرکت کریں، حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی اس وقت پورے ہندوستان میں بنارس سنی کانفرنس منعقد کرنے کے سلسلے میں طوفانی دورے فرما رہے تھے اور حضرت صدرالافاضل علامہ مولانا نعیم الدین اشرفی مرادآبادی بھی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود انتہائی مستعدی اور لگن سے یہ اہم سنی کانفرنس منعقد کرنے کے انتظامات کو آخری شکل دے رہے تھے۔ علامہ

مولانا عبدالعلیم صدیقی، علامہ عارف اللہ اشرفی میرٹھی ودیگر علمائے اہلسنّت بریلوی مکتب خیال کے سب ہی تن من دھن کی بازی لگائے پاکستان کی آزادی اورتحریک چلانے میں ہراوّل دستہ کا کام کررہے تھے جبکہ احراری وکانگریسی دیوبندی مکتب فکر کے علماء اپنی پوری طاقت اس مقصد کیلئے صرف کررہے تھے کہ پاکستان معرضِ وجود میں نہ آئے اس طرح یہ بات واضح طور پر عیاں تھی کہ تمام بریلوی مکتب خیال کے علماء قیام پاکستان کیلئے کوشاں تھے اور دیوبندی مکتب خیال کے تمام علماء کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے۔غرض یہ دور بہت پرآشوب تھاایک طرف ہندو کانگریس پورا زور لگارہی تھی کہ تحریک پاکستان کو کچلا جائے دوسری طرف مسلم لیگ مسلمانوں میں روز بروز مقبول ہورہی تھی کانگریس میں تمام علمائے دیوبند شامل تھے وہ مسلمانوں کو پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف ورغلا رہے تھے جبکہ علمائے اہل سنت (بریلوی مسلک) جو کے سنی کانفرنس بنارس کی پاکستان کے حق قرارداد پاس کردہ کے مطابق تن من دھن سے تحریک پاکستان کی حمایت کررہے تھے۔ہم صغرسنی کے باوجود مسلم لیگ کی جدوجہد میں برابر شریک تھے مدرسہ سے آتے ہی تعلیمی کام مکمل کرکے باقی وقت اپنی گلی اور محلے کے مسلم لیگی دفتر جاکر کام کرتے تھے مجھے یاد ہے کہ بھائی طیب اشرف مرحوم نے قرآن پاک حفظ کرلیا تو انکو پہلے نفلوں میں ختم قرآن تراویح کی طرح پڑھوایا گیااور پھر ٢١ رمضان المبارک کوایک پروقار تقریب میں ان کو ہار پھول پہنائے گئے اور مٹھائی تقسیم کی گئی ۔ بھائی طیب اشرف مرحوم بہت عمدہ طریقے پر

قرآن مجید پڑھتے تھے یہ تیز رفتار بھی تھے لیکن ترنم کے ساتھ بہت صاف صاف قرآن سناتے تھے ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے مسلم اکثریتی صوبوں میں سو فیصد ووٹ حاصل کر کے الیکشن جیت لئے تھے جسکے نتیجے میں انگریزوں کو مطالبہ پاکستان ماننا پڑا تھا۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ کچھ لمحات ایسے بھی آئے تھے جب قائداعظمؒ نے اعلان کیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اگر انگریزوں نے پاکستان کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو گلی کوچوں میں جنگ ہوگی لہٰذا مسلمان ہر محلے میں لاٹھی چلانا، بنوٹ چلانا، تلوار چلانا و دیگر داؤ پیچ سیکھیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنے محلوں میں مراکز قائم کر لئے تھے اور محلے کے نوعمر لڑکوں کو مذکورہ سب کچھ سکھایا جاتا تھا ہمارے محلے میں یہی سب انتظام کیا گیا تھا ہم بھی سب کچھ سیکھتے رہتے تھے پہلے پینترے کے ذریعے دیوار پر ہاتھ مار مار کر ہاتھ مضبوط کئے جاتے تھے پھر آگے لاٹھی چلانا، بنوٹ چلانا، لکڑی یا جست کی تلواریں چلانا، چھیننا داؤ پیچ سکھائے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے کچھ متمول طبقے جن کے پاس آتشی اسلحہ تھا انکو بندوق چلانا اور ہلکی توپ چلانا بھی سکھایا گیا تھا۔ کانگریسی علماء قائداعظم کو کافر اعظم کا خطاب دے رہے تھے چنانچہ ایک عجیب کیفیت تھی ہر دو طرف علماء نظر آتے تھے مسلمان شش و پنج میں مبتلا تھے۔ پاکستان کے سلسلہ میں انتخابی عمل سر پر تھا لہٰذا اکابرین اہلسنّت جس میں حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین اشرفی مراد آبادی حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی،

حضرت امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب، پیر صاحب مانکی شریف وغیرہ نے بڑی دل سوزی اور ہمت واستقلال و دور اندیشی سے کام لے کر اُمت مسلمہ کی کشتی کو اس بھنور سے نکالنے کا فیصلہ کیا اور اس سے بنارس سنی کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ بہرحال والد صاحب قبلہ ماہ مارچ کے آخری ہفتہ بنارس روانہ ہوگئے جہاں اپریل کے پہلے ہفتے میں عظیم الشان بنارس سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مسلمانانِ برصغیر کو اس کشمکش اور تذبذب سے نکال دیا اور حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی کا وہ شہرہ آفاق خطبہ صدارت استقبالیہ آج بھی اپنی ہمہ گیری اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی نشاندہی کیلئے موجود ہے اور آج بھی اس میں موجودہ حالات سے نمٹنے کیلئے تجویز کردہ علاج کرنے سے قوم موجودہ بحرانوں سے نکل سکتی ہے۔ اس بنارس سنی کانفرنس نے مسلمانوں کو پاکستان بنانے کیلئے تیار کردیا اور پھر تمام ہی علمائے اہلسنّت ومشائخ عظام جو اس کانفرنس میں شریک ہوئے جن کی تعداد کم وبیش سات یا آٹھ ہزار تھی اور مجمع ڈھائی لاکھ سنی مسلمانوں پر مشتمل تھا سب ہی پاکستان کے سپاہی بن گئے اور قائداعظم محمد علی جناح کا کام بہت آسان ہوگیا مجھے یاد ہے والد صاحب قبلہ نے ایک فرمان کے ذریعہ اپنے تمام مریدان کو ہدایت دی تھی کہ اگر کسی مرید نے مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دیا تو وہ میری مریدی سے خارج ہوگا اس طرح تمام ہی مشائخ عظام اور علماء نے اپنے سامعین، معتقدین اور متوسلین کو ہدایات جاری کیں اس کانفرنس کے بعد پورے ہندوستان کے سنی

مسلمان جن کی تعداد اکثریت پر مبنی تھی سب نے متفقہ طور پر پاکستان کیلئے اور پاکستان بنانے کے لئے فیصلہ کرلیا اور الحمداللہ جب الیکشن ختم ہو کر نتائج سامنے آئے تو ہندو اکثریت اور کانگریسی علمائے دیوبند نے اپنے کئے پر پچھتانے کے بجائے مسلمانوں یعنی سنی مسلمانوں کو سخت سزا دینے کی ٹھانی۔

مسلم لیگ کا تمام مسلم نشستوں پر کامیاب ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ مسلمان صرف مسلم لیگ کو اپنی نمائندہ جماعت سمجھتے ہیں اس طرح کانگریس اور دیوبندی کانگریسی علماء کا یہ دعویٰ باطل ہوگیا کہ کانگریس متحدہ ہندو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اس طرح مسلم لیگ کا علیحدہ وطن کا مطالبہ تسلیم کیا گیا تھا میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اس سے قبل جب ہندوستان میں عارضی حکومت قائم ہوئی تھی تو خان لیاقت علی خان وزیرخزانہ تھے اور کانگریس نے یہ سوچ کر مسلم لیگ کو خزانہ کا محکمہ دیا تھا کہ مسلمان حساب کتاب میں کمزور ہوتا ہے لہٰذا مسلمان ناکام ہوجائیں گے اور وزارت داخلہ پٹیل کے پاس تھی۔ لیاقت علی خان نے تمام ہندو وزیروں کو اس قدر پریشان کیا کہ انہیں یہ کہنا پڑا پاکستان بنادو ہماری جان چھڑادو۔ کیا یہ تھا کہ جب پٹیل پیسے کی ڈیمانڈ کرتا اسٹیٹمنٹ بنا کر وزارت خزانہ کوارسال کرتا تو لیاقت علی خان اسے واپس کردیتے اور اعتراض لگاتے کہ یہ رقم زیادہ مانگی گئی ہے یہ اتنے میں نہیں، اتنے میں کام پورا ہوسکتا ہے۔ یعنی تمام وزارتیں کفایت شعاری پر لگادیں۔ پھر جب بجٹ پیش کیا تمام بھاری ٹیکس مالداروں پر لگائے۔ اس وقت سب سے

زیادہ مالدار ہندو ہی تھے صنعتکار بھی ہندو زیادہ تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ کانگریسی اور دیوبندی علماء نے ایک زمانے میں گاندھی کے اشارہ پر خلافت تحریک چلائی تھی اور ترک موالات کی تحریک بھی ہندو کانگریس کے لیڈروں کے کہنے پر چلائی گئی جبکہ تمام سنی علماء اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی زیر ہدایت ان تمام تحریکوں کے خلاف تھے لیکن ہندوؤں نے بڑا سرمایہ صرف کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا مسلمان بے تحاشا ملک کو چھوڑنے انگریز کی مقرر کردہ تعلیم کو حاصل کرنے کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کو ان تحریکوں سے اس قدر زبردست مالی و تعلیمی نقصان ہوا کہ حساب سے باہر ہے ہندو بہت مزے میں رہے یہ اپنی جگہ پر قائم رہے اور مزید مالدار ہو گئے تعلیم میں آگے نکل گئے، مسلمان تعلیم میں بہت پیچھے رہ گئے بلکہ مسلمان صرف دینی تعلیم کی حد تک رہ گئے، ظاہر ہے کہ انگریز کی حکومت میں دینی تعلیم کا کہیں گزر نہ تھا بلکہ وہ غیر عیسائی تعلیم میں مخل تو نہ ہوا لیکن سرکاری ملازمتیں ان کے لئے نہ رہیں پھر اسی انگریز کے دور میں سر سیّد احمد خان جو بظاہر دینی علوم سے بے بہرہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو ان سے ایک بڑا کام لینا تھا انہوں نے سب سے پہلے محسوس کیا کہ اگر مسلمانوں کا یہی رویہ رہا اور انگریز سے نفرت کر کے اس کی یا دنیاوی تعلیم حاصل نہ کر سکے تو جب انگریز ہندوستان چھوڑ یگا تو ہر چیز ہندوؤں کے قبضے میں رہے گی اور پھر مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جائیں گے اس کا ازالہ نہ ہو سکے گا اور مسلمان نچلے درجے کے غلام بنا لئے جائیں گے۔ سر سیّد احمد خان نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ

انگریز بہرحال بااصول ہیں لیکن اگر ہندوؤں کی غلامی کرنی پڑی تو یہ کبھی بھی مسلمانوں کو برداشت نہ کرسکیں گے۔علیگڑھ کالج کے طالبعلموں نے پاکستان کی تحریک میں ہراوّل دستہ کا کام کیا۔اسی علیگڑھ کالج میں سردارعبدالرب نشتر،ایوب خان، خان لیاقت علی خان جیسے قومی رہنماؤں نے تعلیم حاصل کرکے انگریز کواس کی زبان میں سمجھایا۔ کیونکہ انگریز انگریزی کے سوا کوئی زبان پسند نہیں کرتا تھا۔حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے بھی اپنے تاریخی خطبہ میں کہا ہے کہ دینی تعلیم میں انگریزی کو شامل کیا جائے سائنس اور جغرافیہ وغیرہ بھی شامل کی جائے اسی طرح سرسیّد احمد خاں کے ساتھ ڈپٹی نذیراحمد،مولانا عبدالحق بابائے اردو بھی مسلمانوں کو نئے حالات میں نئے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار کررہے تھے حالانکہ ان تینوں پرلاعلمی میں کچھ علماء نے کفر کے فتوے بھی دیئے لیکن ان لوگوں نے پرواہ کئے بغیر مسلمانوں کوانگریز سے نجات دلانے اور ہندوغلامی سے بچانے کیلئے کسی چیز کی پرواہ نہ کی جس کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے ہاں تو میں بات کررہا تھا لیاقت علی خان کے سالانہ بجٹ کی، جب لیاقت علی خان نے یہ بجٹ پیش کیا تو اس کی براہِ راست زدتمام ہندو مالداروں، جاگیرداروں پر پڑی اور یہ بجٹ غریبوں کے بجٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ مجھے یاد ہے سردار پٹیل نے فوراً کہا تھا کہ ہم ان مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے فوراً پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرو۔گاندھی انتہائی فریبی دوغلی پالیسی کا انسان تھا وہ جب مسلمانوں محلّوں میں آتا تو قرآن کی آیات پڑھتا اور جب ہندو

آبادی میں ہوتا تو گیتا پڑھ کر مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلاتا۔ جب ہندو پٹتا نظر آتا تو فوراً پہنچ کر شانتی شانتی کی راگ الاپتا اور اگر مسلمانوں پر ظلم ہوتا تو اس کے کان پر جوں نہ رینگتی۔ یہ کہتا پھرتا تھا میں ہندو ہوں میں مسلمان ہوں۔ میں سکھ ہوں میں عیسائی ہوں وغیرہ وغیرہ دوسری طرف قائداعظم تھے جو بات کے پکے مضبوط ارادے کے مالک چٹان کی طرح مضبوط انگریز کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اس کی زبان میں اسی کی پالیسی کے مطابق اس سے نمٹتے۔ حالانکہ اس وقت برصغیر میں بڑے بڑے قابل لیڈر تھے اور ہندوستان کے ہر صوبے میں مسلمان رہنماؤں کی کمی نہیں تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے قائداعظم محمد علی جناح کو جو دماغ اور جو بصارت دور بینی، قوت فیصلہ اور انتہائی جمہوری مزاج عطاء کیا تھا یہ سب خوبیاں کسی اور لیڈر میں نہیں تھیں اسی لئے تمام ہی مسلم رہنماؤں نے قائداعظم کو اپنا قائد مانا تھا۔ حضرت علامہ اقبال جیسے فلسفی، شاعر درویش نے بھی قائداعظم کو اپنا رہنما مانا تھا اس سلسلہ میں ایک بات یاد آ گئی یہ کہتا چلوں کہ ۱۹۵۶ء میں جب سردار عبدالرب نشتر صدر پاکستان مسلم لیگ تھے تو میں کالج میں پڑھتا تھا اور مسلم لیگی جلسوں میں ضرور شریک ہوتا تھا۔ نشتر صاحب نے ایک مرتبہ تقریر میں ایک واقعہ سنایا کہنے لگے کہ میں قائداعظم کے ساتھ ایک گاؤں میں گیا اس وقت قائداعظم کوٹ پتلون اور سر پر ہیٹ پہنے ہوئے تھے تو تمام گاؤں کے مسلمان، علماء و مشائخ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے جب واپسی میں ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر آنے لگا تو مجھے ہنسی آ رہی

تھی قائداعظم نے پوچھا کہ تم کیوں ہنس رہے ہو (انگریزی میں)

Why are your laughing boy?

میں نے کہا قائداعظم یہ علماء یہ پیران عظام جن کے لوگ ہاتھ پیر چومتے ہیں یہ سب آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے تو قائداعظم نے کچھ توقف سے کہا Every Muslim know that I will never sale their benifits and their future My boy if you want to be eminent develop this Chractar. کہ ''ہر مسلمان جانتا ہے کہ انکے مفادات اور مستقبل کو فروخت نہیں کرونگا۔ میرے بچے اگر تم بڑے انسان بننا چاہو تو یہ اصول اپنالو'' ہندو ذہنیت کا انداز اور ہندوازم کے متعلق ایک ہندو پروفیسر نے الٰہ آباد میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ''ہندو شاستر'' تھا، اس میں ہندو کی تعریف لکھی ہے کہ اصلی ہندو میں مندرجہ ذیل خصلتوں اور عادتوں کا ہونا ضروری ہے۔

☆ جب بولے جھوٹ بولے۔

☆ جب وعدہ کرے پورا نہ کرے۔

☆ جب معاہدے کرے اس کے خلاف کرے۔

☆ جب کمزور ہو تو پاؤں پکڑ لے، جب طاقت میں ہو تو کچل دے۔

ہندوازم کا فلسفہ یہ ہے کہ جس سے فائدہ ہو اس کو پوجو یا خدا مان لو۔

اب مندرجہ بالا تشریحات کی روشنی میں ہم بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ پنڈت نہرو نے کشمیر میں جب پٹائی ہونے لگی تو حق خودارادیت کو تسلیم کر کے جنگ بندی کرائی لیکن آج تک اس وعدہ پر عمل نہ کیا گیا۔ جب ۱۹۶۵ء میں پٹائی ہوئی تو فوراً ہاتھ جوڑ کر جنگ بندی کرائی، لیکن ۱۹۷۱ء میں جب پاکستان کمزور ہوا اور بھٹو مجیب جیسے پاکستان مفادات کے دشمن ہوئے ذاتی اغراض کو مقدم سمجھنے لگے تو ہندوستان طاقتور تھا اس نے ملک کے ۲ ٹکڑے کروائے۔

ہندو ذہنیت مسلمانوں کو برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی۔ آج ہندوستان کے آئین میں مسلمانوں کو پسماندہ یا Back ward Cast میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج جو لوگ پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں یہ اگر ہندوستان جا کر مسلمانوں کی حالت زار کا خود مشاہدہ کریں تو ان کو خود پاکستان کی قدر ہو جائیگی۔ آج پاکستان میں ان کا جو مقام ہے کیا ہندو اکثریت میں ان کا یہ مقام ہو سکتا تھا یا جو جائیداد ان کے قبضے میں ہے اس کا تصور بھی وہ ہندوستان میں رہ کر نہ کر سکتے تھے۔ جو آج قائداعظم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ وہ ذرا یہ سوچیں کہ جس جائیداد کی ملکیت ان کے قبضے میں ہے اور اس سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں کیا کبھی کسی غریب کو انہوں نے اس کا کچھ حصہ بھی دیا جبکہ قائداعظم نے پاکستان کو سب کچھ دیا۔ اپنی تمام جائیداد قوم کے نام وقف کر گئے۔ زندگی (ایک سالہ) میں گورنر جنرلی میں صرف ایک روپیہ تنخواہ وصول کی تمام خرچ اپنی جیب سے کرتے رہے علاج معالجہ اپنی جیب سے کیا۔ ان کے بھتیجے

بہن سب ہی تھے لیکن سب کچھ قوم کو دے گئے۔آج ہزاروں ایکڑ زمین کے مالکان جن کو قوم اور عوام کے دکھوں کا ہیضہ ہے کبھی کسی زمیندار نے ایک سوا یکڑ زمین غرباء میں تقسیم کی۔ بلکہ سرکاری زمینوں پر قبضہ کرنا اپنا حق سمجھا۔اسی طرح لیاقت علی خان جو ایک ریاست کے نواب تھے تمام پراپرٹی ہندوستان میں رہ گئی اس کا تبادلہ اس لئے نہ کیا کہ جب تک کسی ایک مہاجر کی جائیداد تبادلہ نہ ہو گی میں اپنی جائیداد کا کلیم نہ بھرونگا اور جب ملک وقوم کو خون دے کر دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے بینک میں صرف ۱۲ سو یا ۲۸ سو روپیہ تھا جو آٹھ سو یا چار سو درزی کا قرض چکانے کے بعد ۲ بیویوں میں تقسیم ہوا ان کے بچوں کے سر کی چھت نہیں تھی۔ان کے اخراجات کیلئے پیسے نہ تھے وہ یتیم تھے ان کی ماں نے حکومت پاکستان کی ملازمت کر کے بچوں کو پڑھوایا، نہ کوئی جائیداد نہ مکان نہ جھونپڑی۔ سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب رہے، وزیر صنعت رہے لیکن کراچی میں کرائے کے مکان میں رہے، اور مرنے کے بعد مسلم لیگ جس کے وہ صدر تھے اس کے پانچ ہزار روپیہ کے قرضدار تھے۔ یہ دیانت داری، یہ امانت داری اپنے ملک سے محبت، دین سے محبت کا نتیجہ تھا۔ بہت سے لوگ قائداعظم کو کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔ کیا ان کے پاس کوئی جواب ہے کہ قائداعظم نے لندن میں لنکن ان میں صرف اس لئے داخلہ لیا تھا کہ اس کے دروازہ میں اندر دنیا کو جن افراد نے مکمل دساتیر دیئے ان میں سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا تھا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسی درسگاہ میں تعلیم حاصل کروں

گا کیا کوئی کافر ایسا کرسکتا تھا؟ قائداعظم پر الزام لگانے والے ان کو برا کہنے والے سب ہی کو غور سے دیکھو تو یہ لوگ نظر آتے ہیں جن کی زندگیاں ناکام زندگیاں ہیں۔ کچھ لوگ آج یہ کہتے ہیں کہ پاکستان گرداس پور تک نقشہ پر تھا تو یہ کیسے بدل گیا۔ ان کو معلوم نہیں کہ ریڈکلف نے قائداعظم سے ایک کروڑ روپیہ رشوت مانگی تھی کہ اگر نہ دوگے تو نقشہ تبدیل کر دیا جائیگا۔ قائداعظم نے نواب حیدرآباد دکن سے ایک کروڑ روپیہ قرض مانگا تھا جو اس نے دینے سے انکار کر دیا تھا اور پنڈت نہرو نے اس کو فوراً ۲ کروڑ روپیہ لاکر دیا تا کہ گرداس پور سے کشمیر کا جو راستہ نکلتا ہے، وہ ہندوستان کو مل جائے اور اسطرح ہندو اور انگریز اپنے مشن میں کامیاب ہوگئے ورنہ آج کشمیر جانے کو ہندوستان کے پاس کوئی راستہ نہ ہوتا۔ انگریز تو یہی چاہتے تھے کہ ملک تقسیم نہ ہو اور سب کچھ ہندوؤں کو دے دیا جائے۔ لیکن مسلم لیگ کی طاقت اور قائداعظم کی باصلاحیت باکردار قیادت نے تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا تھا اور انگریز کو مجبور کر دیا تھا۔ ورنہ مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ لنگڑا لولہ پاکستان کیوں حاصل کیا۔ ان کو شاید چوہدری محمد علی کا وہ انٹرویو یاد نہیں جو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دور میں دیا تھا کہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن جس کی بیوی سے نہرو کا معاشقہ تھا اس نے قائداعظم کو بلا کر کہا تھا مسٹر جناح یہ نقشہ ہے پاکستان کا اگر نہ لوگے تو یہ بھی نہرو یا کانگریس کو دیدیا جائیگا وہ کہتے تھے کہ میں نے زندگی میں قائداعظم کو پہلی مرتبہ اس قدر نڈھال دیکھا کہ وہ آکر صوفے پر لیٹ

سے گئے اور پھر سوچ کر کہا کہ فی الحال یہی لے لیا جائے کیونکہ قائداعظم محمد علی جناح کو T.B بھی تھی اور گلے کا کینسر بھی تھا ان کے ڈاکٹر نے ان کو کہا تھا مسٹر جناح اگر تم نے مکمل آرام نہ کیا تو تمہاری زندگی ایک سال بعد ختم ہو جائیگی۔ قائداعظم نے سختی سے اپنے ڈاکٹر کو ہدایت کی تھی کہ یہ راز کسی کو نہ معلوم ہو سوائے فاطمہ جناح کے۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم کو اس طرح کہا تو یہ جانتے تھے کہ میری زندگی اب ختم ہونے والی ہے اور میرے بعد اگر ہندوؤں کو پورا ملک مل گیا تو پھر پاکستان کبھی مستقبل قریب میں نہ بن سکے گا اس لئے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اور مسلم لیگ کونسل سے مشورہ کر کے یہ غیر فطری تقسیم قبول کر لی۔ آج الحمداللہ پاکستان جس کی بنیادیں شہیدوں کے خون سے استوار ہوئی ہیں دنیا کے نقشہ پر موجود ہے اور ہندوستان کو آنکھیں دکھاتا ہے جو دس گنا بڑا ملک ہے لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان نے بہت ترقی کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پاکستان نے بے انتہائی لٹائی پٹائی کے باوجود ہندوستان سے زیادہ ترقی کی ہے وہ اس طرح کہ ہندوستان کو ہر چیز بنی بنائی ملی، جمی جمائی ملی جبکہ مسلمانوں کو نہ اس کے حصہ کا پیسہ ملا، نہ اسلحہ، اور پورے ملک میں نہ کوئی قابل ذکر صنعت تھی نہ دفاتر میں کرسی، میزیں، نہ کاغذ، نہ قلم اوپر سے ۸۰ اسّی لاکھ مہاجرین کو قتل وغارتگری کے بعد ادھر دھکیل دیا گیا تھا۔ ملک کے پاس تنخواہ دینے کو پیسے نہ تھے۔ ان حالات میں آج پاکستان ایٹم بم بنا چکا ہے صنعت وحرفت میں ترقی کی ہے ملک میں الحمداللہ بہت کچھ بنتا ہے۔ ایکسپورٹ،

امپورٹ میں کافی آگے بڑھ چکے ہیں۔ ٹیکسٹائل میں ہندوستان سے کہیں آگے ہیں۔ میں یادوں کے دریچے کھلنے کے بعد رو میں بہہ جاتا ہوں۔ اس لئے پھر ایک بار رو میں بہہ گیا۔ تو میں بتا رہا تھا کہ جب جون ۱۹۴۷ء میں قائداعظم، جواہر لال نہرو، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا آل انڈیا ریڈیو سے ہونے کا اعلان ہوا تو مسلمانوں کا خوشی سے پاگل ہونا دیکھنے کے قابل تھا کیونکہ اب وہ صرف اخبارات میں قائداعظم کا بیان نہیں پڑھنے والے تھے بلکہ ریڈیو جو انگریز کی ملکیت تھی، اس سے ان کی براہِ راست تقریر سننے والے تھے۔ ہمارے گھر میں نہ ریڈیو تھا اور نہ اس کا کوئی تصور تھا اس لئے بعد مغرب ہم سب بھائی اپنے گھر سے ملحق ایک تارکشی کے کارخانے میں چلے گئے وہاں اور بھی محلے کے معززین پہلے سے جمع تھے۔ پھر نیوز کاسٹر ارک وونا نے اعلان کیا کہ وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن تقریر کرتے ہیں سب خاموشی سے سنتے رہے جو انگریزی جانتے تھے وہ سمجھتے رہے جو نہ جانتے تھے وہ خاموشی سے بیٹھے قائداعظم کی تقریر کا انتظار کرتے رہے۔ پھر جواہر لال نہرو کی تقریر کا اعلان ہوا پھر سب خاموش رہے جب اعلان ہوا کہ مسٹر محمد علی جناح پریذیڈنٹ آل انڈیا مسلم لیگ تو لوگ ناچ اٹھے۔ قائداعظم کا لب ولہجہ اور انداز تقریر ایسا تھا کہ سننے والے دم بخود رہ جاتے تھے۔ میں یہ بتاؤں کہ ایک مرتبہ قائداعظم لال قلعہ دہلی کے سامنے پریڈ کے میدان میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ میں تقریر کرنے آئے تو بہت بڑا ہجوم تھا لوگ کافی ہاہوکر رہے تھے۔ دیگر لیڈران تقریر کرتے رہے

لیکن قائداعظم کی آواز گونجی تو مجمع میں مکمل خاموشی چھاگئی اور پھر قائداعظم نے انگریزی میں دھواں دار تقریر کی اور لوگ بالکل خاموش بیٹھے رہے تو جب قائداعظم کی آواز آل انڈیا ریڈیو سے اُبھری لوگ بہت خوشی اور توجہ سے ان کی تقریر سننے لگے۔ جواہر لال نہرو نے آخر میں کہا تھا جئے ہند تو جب قائداعظم اپنی تقریر کے اخیر میں کہا پاکستان زندہ باد تو لوگ ناچنے لگے اور آج لوگوں کو پاکستان بننے کا یقین ہوگیا کیونکہ مسلم لیگ کے سب ہی لیڈران پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے لیکن قائداعظم ایک حقیقت پسند اور عملی انسان تھے انہوں نے پہلے کبھی پاکستان زندہ باد اپنے منہ سے نہیں کہا تھا اسی لئے آج جب ان کے منہ سے سنا پاکستان زندہ باد تو قوم کو یقین ہوگیا کہ اب واقعی پاکستان بن گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب قائداعظم کبھی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے تو پریس رپورٹروں سے کہتے مجھے اپنی رپورٹ سناؤ۔ وہ کہتے تھے کہ اگر کسی اخبار میں وہ کچھ چھپا جو میں نے نہیں کہا تو تم پر کیس کردونگا۔ آج کی طرح نہیں کہ لیڈر پہلے خود الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور جب اس کا الٹا اثر دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں رپورٹنگ غلط ہوئی ہے۔ قائداعظم بہت بااصول، دلیر اور جری تھے وہ حالات سے گھبرانے والے نہیں تھے۔ ایک مرتبہ ناگپور سی پی میں ایک جلسہ عام تھا اس میں جواہر لال نہرو، گاندھی، مولانا محمد علی جوہر، وغیرہ تھے اور ترک موالات کی تحریک کیلئے گاندھی نے مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کیلئے یہ جلسہ عام منعقد کرایا تھا تو اس جلسے میں تحریک کی حمایت میں قرارداد

پیش کی گئی۔مولانا جوہر بھی موجود تھے،لیکن ۶۰ ہزار کا مجمع جو تحریک کی حمایت کر رہا تھا ان کی ہمت نہ ہوسکی کہ وہ مخالفت کریں لیکن قائداعظم نے کھڑے ہو کر کہا I Oppose میں مخالفت کرتا ہوں مجمع آپے سے باہر ہو گیا اور ان کو برا بھلا کہنے لگا یہ کھڑے رہے جب مجمع ٹھنڈا ہوا انہوں نے پھر کہا I oppse میں مخالفت کرتا ہوں اس طرح بار بار کہنے کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ مجمع کچھ خاموش ہے تو انہوں نے اپنی مدلل تقریر شروع کر دی اس کا اثر یہ ہوا کہ یہ قرارداد منظور نہ ہوسکی اور پھر گاندھی نے کبھی ان کو ایسے جلسوں میں مدعو نہ کیا وہ صاف گو اور انتہائی ایماندار تھے وہ کوئی چیز چھپانا نہیں چاہتے تھے ایک مرتبہ پشاور کا دورہ کرنا تھا۔گاندھی پہلے ہی آچکا تھا۔خان غفار خان جو سرحدی گاندھی مشہور تھا اس نے وہاں کے عوام کو اصل گاندھی کی طرح ورغلا کر رکھا تھا تو قائداعظم کا دورہ ان حالات میں مقرر ہوا کہ گاندھی نے سر پر گاندھی کیپ اوڑھ کر دورہ کیا تھا۔لوگوں نے (قائداعظم جو پاکستان بننے سے قبل اکثر انگلش سوٹ پہنتے تھے اور سر پر ہیٹ) سے کہا کہ آپ شیروانی، پاجامہ پہن کر اور سر پر ٹوپی اوڑھ کر جائیں جیسے آج کل کے لیڈر جہاں جاتے ہیں وہاں کا لباس زیب تن کر لیتے ہیں۔قائداعظم نے پوچھا میں کیوں ایسا کروں لوگوں نے کہا کہ پٹھانوں کو خوش کرنے کیلئے تاکہ وہ آپ کو اپنا جیسا سمجھیں۔قائداعظم نے کہا میں جو کچھ ہوں وہی پیش کرونگا میں یہ ڈرامہ میں نہیں کر سکتا۔وہ انگلش سوٹ سر پر ہیٹ اوڑھ کر دورہ پر گئے اور یہ دورہ بہت کامیاب رہا۔

ایک مرتبہ اسی طرح ایک دورے کے دوران لوگوں نے فرطِ جذبات و عقیدت سے مغلوب ہوکر نعرہ لگایا مولانا محمد علی جناح زندہ باد تو قائداعظم نے سب کوٹوکا اور کہا I am not Moulana میں مولانا نہیں ہوں میں مسٹر محمد علی جناح ہوں۔ I am Mr. Muhammad Ali Jinnah میں مسٹر محمد علی جناح ہوں۔ دراصل قائداعظم کو اللہ تعالیٰ نے ایسا دماغ عطاء فرمایا تھا اور بقول حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ کہ مسٹر جناح کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کی پشت پناہی حاصل ہے ورنہ جب قائداعظم ہندوستان اور مسلمانوں کے لیڈروں کے حالات سے مایوس ہوکر انگلستان چلے گئے تھے تو ان کی اس قدر کمی محسوس کی گئی کہ علامہ اقبال مرحوم نے متعدد خطوط لکھے اور خان لیاقت علی خان کو لندن بھیجا کہ وہ قائداعظم کو واپس آنے پر راضی کریں اس سلسلہ میں قائداعظم کے دماغ اور ان کی زیرکی اور دوربینی کا اندازہ لگانے کیلئے ایک واقعہ درج کرتا ہوں بمبئی میں جہاں سے قائداعظم نے اپنی پریکٹس یا وکالت کا عروج حاصل کیا وہاں ایک محلّہ میں ایک مندر کا دروازہ اور مسجد کا دروازہ قریب قریب ہیں۔ چنانچہ جب مسجد میں نماز ہوتی تھی تو مندر میں گھنٹا بجایا جاتا تھا جن سے مسلمان Distrub ڈسٹرب ہوتے تھے اور کئی ایک مرتبہ یہ طریقہ ہندو مسلم فساد پر منتج ہوا۔ چنانچہ مسلمانوں نے انگریز جج کی عدالت میں مقدمہ پیش کرنا چاہا تا کہ یہ قضیہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو اب سوال یہ پیدا ہوا کہ وکیل ایسا ہو جو واقعی انگریز کی عدالت میں مسلمانوں کا

صحیح مقدمہ پیش کر سکے تو قرعہ فال قائداعظم کے نام کا نکلا قائداعظم کیس لے کر پہلا اس کا عمیق نگاہ سے مطالعہ کرتے تھے اور اگر کیس میں جان ہوتی یا کیس حقائق پر مبنی ہوتا تو کیس لیتے ورنہ انکار کر دیتے اور یہی وجہ تھی کہ جب قائداعظم کیس لے لیتے تو اگلا یہ یقین کر لیتا تھا کہ فتح اس کی ہوگی۔ قائداعظم اپنی محنت اور وکالت کی پوری فیس پہلے ہی لے لیا کرتے تھے چنانچہ قائداعظم نے کیس کو Study کیا اور کیس لے لیا اور فیس بھی پہلے حسب طریقہ لے لی۔ ان کی فیس اس وقت سب وکلاء سے زیادہ تھی۔ بمبئی کے سیٹھوں نے فوراً فیس ادا کر دی۔ قائداعظم کا رعب اتنا تھا کہ اکثر لوگ ان سے بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

خود لیاقت علی خان جن کو خود قائداعظم نے اپنا دایاں بازو قرار دیا تھا یہ بھی ان سے بات کرتے تو بھیگی بلی کی طرح ان کے سامنے نظر آتے تھے دوسروں کی تو مجال ہی کیا تھی۔ اب کیس شروع ہوا۔ ہندو وکیل جو ہندوؤں کا مشہور وکیل تھا اس نے ۳ روز بحث کی بڑے بڑے دلائل دیئے، بڑی تمثیلات پیش کیں۔ ۳ روز بعد جب اس نے اپنی بحث ختم کی تو جج نے کہا مسٹر جناح اب تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہو قائداعظم نے کہا مجھے کچھ نہیں کہنا۔ تمام مسلمان ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے کہ مسٹر جناح کو کیا ہو گیا اور یہ تو فیس بھی پہلے ہی لے چکے اب دوسرا وکیل کرنا بھی مشکل ہے۔ قائداعظم سے کسی کی بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ بہر حال انگریز جج نے کہا کہ کل فیصلہ لکھا جائیگا۔ اس زمانے میں جج ایسے فیصلے فریقین کے وکلاء کی

موجودگی میں لکھاتے تھے۔ دوسرے روز جب جج نے فیصلہ کا ڈکٹیشن دینا شروع کیا تو قائداعظم نے اپنی جیب سے ایک گھنٹی اور ایک چھوٹی سے لکڑی نکالی اس کو آہستہ آہستہ بجانا شروع کیا جس سے انگریز جج ڈسٹرب ہوا اس نے گھبرا کر قائداعظم کو دیکھا اور کہا مسٹر جناح میں فیصلہ ڈکٹیٹ کرر ہا ہوں تو قائداعظم نے کہا Yes my lord جی ہاں فضیلت مآب اور پھر گھنٹی بجانی شروع کی اس طرح تیسری مرتبہ جج کو غصہ آ گیا کہنے لگا مسٹر جناح I am disturbing in dictating the judgment میں فیصلہ لکھنے میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں تو قائداعظم نے کہا Yes my lord this is the point فضیلت مآب یہی تو نقطہ ہے کہ جب مسلمان اپنے لورڈ یا خدا کے سامنے فیصلہ کیلئے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو ہندوؤں کے گھنٹے بجانے سے وہ ڈسٹرب ہوجاتے ہیں جج نے جب یہ نقطہ سنا تو ہندو وکیل سے پوچھا کہ تمہاری عبادت کا وقت کیا ہے اور کیا وقت مقرر ہے، تو فوراً ہندو وکیل نے کہا ہماری عبادت کیلئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ چنانچہ جج نے فوراً اپنا لکھا جانیوالا فیصلہ تبدیل کردیا اور یہ فیصلہ لکھایا کہ ہندو اپنی عبادت ایسے وقت کریں یا گھنٹہ بجائیں جب مسلمانوں کی نماز کا یا عبادت کا وقت نہ ہو اور یہی سب مسلمان چاہتے تھے۔ یعنی قائداعظم نے بغیر ایک لفظ بولے یہ مقدمہ جیت لیا۔ مسلم لیگ کی تنظیم اس منظّم طریقے سے کی اور قوم کی تربیت اس طرح کی کہ ہر جلسہ، جلوس بغیر ہنگامہ آرائی سے ہوتا تھا گھیراؤ جلاؤ والا طریقہ گاندھی کا تھا۔ نہ قائداعظم نے کسی لیگی لیڈر کو بھوک

ہڑتال کرنے کا مشورہ دیا نہ کبھی خود کی بلکہ یہ کہا کہ بھوک ہڑتال ایک طرح اللہ کی دی ہوئی روزی یا روٹی کو ٹھکرا کر انکار کر کے اللہ کی ناشکری کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ قائداعظم عام ہڑتال بھی نہیں کراتے تھے کہتے تھے کہ اس طرح بہت سارے غریبوں کا نقصان ہوتا ہے وہ یہ سارے ایسے کام نیشنل گارڈ سے کراتے تھے مثلاً کسی حکومت کے خلاف اگر تحریک چلانا ہے تو صرف نیشنل گارڈ خود کو گرفتاری کیلئے پیش کرتے تھے عام پبلک میں جیسے خضر حیات ٹوانہ کے خلاف جب پنجاب میں تحریک سول نافرمانی چلائی گئی تو صرف نیشنل گارڈ پورے ہندوستان سے پنجاب پہنچ کر گرفتاری کیلئے پیش کرر ہے تھے۔ البتہ کبھی کبھی پرامن جلوس پر حکومت وقت زیادتی کرتی تو اس کے خلاف سخت زبان استعمال کرتے۔ وہ بہت کم بولتے بہت کم بیان دیتے تھے لیکن جب ان کا بیان آتا تھا تو اس کی وقعت ہوتی اور اخبارات ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتے تھے وہ فرماتے تھے کہ قانون کو ہاتھ میں نہ لو بلکہ قانون کی حدود میں رہ کر جنگ کرو۔

قوم کو اور نوجوانوں کو ایک نظم کے ساتھ رکھا تھا ایک مرتبہ قائداعظم کسی دورے پر جاتے ہوئے علیگڑھ سے گزرر ہے تھے اوران کی گاڑی کو رات ایک بجے گزرنا تھا انہوں ے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلباء کو پیغام بھیج دیا تھا کہ وہ بالکل اسٹیشن نہ آئیں نہ اپنی نیند خراب کریں نہ میری نیند خراب کریں بلکہ کسی اور موقع پر جب دن میں گذریں گے تو ضرور سب سے ملیں گے۔ چنانچہ ان کی گاڑی جب

علیگڑھ پہنچی تو ہزاروں کا ہجوم تھا اور وہ قائداعظم کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے تھے قائداعظم نے اپنے سیکریٹری کے ذریعہ باہر پیغام بھیجا کہ جب میں نے منع کیا تھا تو آپ کیوں آئے میں باہر نہیں آؤنگا، آپ واپس جائیں جس قوم کی تنظیم نہیں ہوگی وہ کچھ نہ کرسکے گی۔ وہ باہر نہیں آئے اور سب کو بغیر ان کی جھلک دیکھے واپس جانا پڑا حالانکہ اگر آج کے لیڈر ہوتے جو اپنے جلسوں میں پیسے دے کر بسیں بھروا کر لوگوں کو بلاتے ہیں تو وہ اپنا آرام چھوڑ کر باہر اپنی جھلک کیا دکھاتے بلکہ سب کچھ دکھادیتے اور بہت خوش ہوتے کہ رات کو اتنی تعداد میں لوگ مجھے دیکھنے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا تھا قائداعظم کے متعلق آج بیرونی اور ملک دشمن طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کیلئے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا حالانکہ قائداعظم کی چلائی ہوئی تحریک پاکستان کے ایک مردمجاہد قائداعظم کے بائیں بازو سردار عبدالرب نشتر نے ایک مرتبہ ایک واقعہ سنایا تھا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ برصغیر کے مسلمان یہ ملک کیوں بنانا چاہتے تھے وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں الہ آباد کے اسٹیشن سے اپنے دورے کے سلسلہ میں گزر رہا تھا تو اسٹیشن پر حسب طریقہ لوگ مسلم لیگ کے لیڈر کا استقبال کرنے اور ایک جھلک دیکھنے کیلئے جمع تھے تو انہیں ایک ۱۲ سال کا بچہ پاکستان زندہ باد پاکستان زندہ باد کہتے کہتے بے ہوش سا ہونے لگا تو میں نے اس کو سنبھالا اور اپنے ڈبے میں لے آیا اس کو پانی پلایا جب یہ ہوش میں آیا تو میں نے اس سے

پوچھا بیٹے تم جانتے ہو کہ الہٰ آباد پاکستان بننے کے بعد کبھی بھی پاکستان کا حصہ نہیں
بنے گا پھر تم کیوں اس قدر جوش میں اپنے ہوش کھو رہے ہو تو اس بچہ نے جو جواب
دیا وہ آج کے ناپسندیدہ پاکستانیوں جو ملک کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں
ان کے منہ پر طمانچہ ہے کہنے لگا سردار صاحب ہمارا شہر تو پاکستان میں داخل نہ ہوگا
لیکن پاکستان بننے سے اسلام کا نام سربلند ہو جائیگا۔ وہ فرماتے تھے کہ اگر ایران
سے اسلام کو ختم کر دیا جائے تو ایران ایران ہی رہیگا کیونکہ اسلام سے پہلے بھی یہ
ایران تھا۔ مصر سے اسلام خدانخواستہ ختم ہو جائے تو مصر مصر ہی رہے گا اگر پاکستان
سے اسلام کو ختم کیا گیا تو پاکستان ختم ہو جائے گا کیونکہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم
ہوا ہے۔ جس طرح آج بہت سے لیڈران اپنے شاطرانہ کردار میں مشہور ہیں ایسے
لیڈر ہر دور میں رہے ہیں چنانچہ مسلم لیگ کے ایک لیڈر جن کا تعلق لکھنؤ سے تھا اور
یہ مسلم لیگ کے معزز رہنما تھے انہوں ے قائد اعظم کو لکھنؤ میں جلسہ منعقد کر کے بلایا
اتفاق سے اسی روز جواہر لال نہرو اور گاندھی کا جلسہ بھی لکھنؤ میں ہو رہا تھا۔ یو پی میں
کیونکہ ہندو غالب اکثریت میں تھے مسلمان کم تھے اس کے علاوہ کانگریسی مولوی جو
دیوبندی تھے انہوں نے تمام زور اس پر لگایا کہ لکھنؤ میں مسلم لیگ کا جلسہ کامیاب نہ
ہو بلکہ گاندھی نہرو کا جلسہ کامیاب ہو قائد اعظم ہمیشہ وقت پر آتے تھے وہ وقت کے
بہت پابند تھے کانگریس کا جلسہ شروع ہو گیا اور بڑا ہجوم تھا ان صاحب جن کا نام لینا
مناسب نہیں انہوں نے پہلے سے انتظام اس طرح کر رکھا تھا کہ 10 گدھے جن

کے پیچھے کنکر بھرڈبے بندھے تھے اور 100 چھچھوندریں پکڑوا رکھی تھیں جیسے کانگریس کا جلسہ شروع ہوا اور انہوں نے قائداعظم اور پاکستان کی مخالفت میں دھواں دار تقریریں شروع کیں ان صاحب کے مقرر کردہ لوگوں نے مختلف جگہ سے چھچھوندریں جلسہ گاہ میں چھوڑ دیں اور گدھے دوڑنے لگے۔چھچھوندریں بولتی بہت ہیں اور لوگ ان سے ڈرتے بہت ہیں جب 100 چھچھوندروں کا شور ہوا تو بھگدڑ مچ گئی اور پھر گدھے بھاگنے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ جلسہ درہم برہم ہوگیا دوسری طرف مسلم لیگ کا جلسہ تھا تو بہت سارے لوگ مسلم لیگ کے جلسہ میں آگئے قائداعظم کے آنے کا وقت ہوا تو سب ہی انکی زیارت کے مشتاق ہوئے لیکن وہ وقت پر نہ آئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کو مسلم لیگی لیڈر کے اس حرکت کا علم ہوگیا تھا تو یہ ناراض تھے ان کا کہنا تھا کہ صاف ستھری سیاست کرو یہ پھڈے بازی والی سیاست انہیں پسند نہ تھی چنانچہ کافی تاخیر سے جلسہ گاہ میں آئے اور اپنی تقریر میں سب کے سامنے اور ان صاحب کو سخت سست کہا اور کہا میں مسلم لیگ میں ایسے شاطر لوگوں کو پسند نہیں کرتا بلکہ ان کو ایک سال کیلئے ان کے عہدے سے ہٹادیا۔آج کے لیڈر ہوتے تو خوش ہوتے کہ اس شاطرانہ چال سے مخالف کا جلسہ خراب ہوگیا۔ایک مرتبہ قائد ملت خان لیاقت علی خان نے قائداعظم کے انتقال کے بعد تقریر میں کہا تھا کہ قائداعظم نے مجھے ۳ نصیحتیں کی تھیں

(۱) جو کام نہ کرسکو اس کا وعدہ نہ کرنا۔

(۲) قوم سے کبھی جھوٹ نہ بولنا۔

(۳) اگر پاکستان کو جنگ کرنا پڑے تو کسی بھی حالت میں ہتھیار نہ ڈالنا۔

یہ وہ زریں اُصول ہیں جس کے گرد ان کی زندگی گھومتی تھی۔ ہاں تو میں پھر رو سے میں بہہ گیا۔ بتا یہ رہا تھا کہ جب قائداعظم کے منہ سے پاکستان زندہ باد کے الفاظ سن لئے تو قوم مکمل یقین کامل کا نمونہ بن گئی کہ پاکستان واقعی بن گیا۔ دوسری طرف ہندو ذہنیت نے اپنے رنگ دکھانے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ ریڈ کلف ایوارڈ ہونا تھا اور ابھی بہت سے معاملات طے ہونا تھے تمام مسلم لیگی لیڈران اپنی مذکورہ ذمہ داریوں میں مصروف ہوگئے، درحقیقت انگریز کسی قیمت پر ملک کی تقسیم کرنا پسند نہ کررہا تھا اور وہ بھی ہندو اور مسلمانوں میں انگریز ہو یا ہندو ہو یا کوئی غیر مسلم سب ہی مسلمانوں کے دشمن ہیں ان کو دوست سمجھنا سب سے بڑی بے عقلی ہے۔ اب لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو نہرو کا دوست اور اس کی بیوی نہرو کی داشتہ تھی اس نے ایک چال چلی کہ برصغیر کا صرف ایک گورنر جنرل ہو اور صرف میں ہوں۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کونسل میں پیش کیا تو کونسل نے متفقہ طور پر خطرناک اسکیم رد کردی اور قائداعظم کو ملک کا پہلا گورنر جنرل بنانے کیلئے یہ فیصلہ کیا حالانکہ ہندوؤں نے قائداعظم کو متحدہ ہندوستان کا صدر تاحیات بنانے کی درخواست کی تھی اگر قائداعظم پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہوجائیں اب سوچیں کہ متحدہ ہندوستان کے صدر ٹھیک رہتے یا پاکستان کے جو ہندوستان کے مقابل دسواں حصہ ہے اس کے گورنر جنرل بننا ٹھیک

تھا قائداعظم کو ہزار ترغیبات دی گئیں تھیں کہ پاکستان کے مطالبے سے دستبردار ہوجائیں۔قائداعظم کی خصوصیات اسقدر تھیں کہ وجے لکشمی پنڈت جو جواہر لال نہرو کی بہن تھی اس نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ ہمیں 100 گاندھی کے بدلے ایک جناح مل جائے۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے قائداعظم کا ہندوؤں کی نگاہ میں اور منجھے ہوئے سیاستدانوں کی نگاہ میں کیا مقام تھا۔قائداعظم کومخالف لوگ کہتے ہیں کہ وہ مغرور تھے۔سخت طبیعت کے مالک تھے حالانکہ وہ بے انتہاء رحیم کریم تھے ایک مرتبہ قائداعظم اور خان لیاقت علی خان لندن میں مقیم تھے اور تحریک پاکستان اور مطالبہ پاکستان کے سلسلہ میں کوئی کانفرنس منعقد ہونے والی تھی تو لیاقت علی خان کوفلو ہوگیا انہیں سینہ میں سخت تکلیف تھی، بخار تھا۔ڈاکٹر نے انہیں آرام کرنے اور سینہ پر کوئی Ointment لگا کر سونے کا مشورہ دیا تھا تو قائداعظم رات کو بار بار آ کر ان کو دوا پلاتے سینہ پر اپنے ہاتھوں سے دوا لگا کر مالش کرتے رہے۔انہوں نے یہ نہ سوچا کہ کوئی ملازم یہ کام کر دیگا۔اسی طرح اور کئی واقعات اس بات کے شاہد ہیں کہ قائداعظم کی ذات سے غرور تکبر کا ذرا بھی اظہار نہ ہوا۔البتہ وہ بات کے پکے اُصول پرست اور دیانت دار بے داغ کردار کے مالک تھے آج لوگ انہیں مغرور کہتے ہیں ضدی کہتے ہیں۔لیکن ان کے کردار پر حرف نہیں آتا۔وہ کسی بندے کے سامنے جھکنے والے نہیں تھے۔ایک مرتبہ وہ سینٹرل اسمبلی میں تقریر کر رہے تھے۔وہ ہمیشہ ایک آنکھ میں چشمہ لگاتے تھے اتفاق سے ان کا یہ آنکھ والا چشمہ گر گیا

لوگوں نے سوچا کہ اب تو انہیں جھک کر یہ چشمہ اٹھانا پڑیگا لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہاء ہوگئی جب انہوں نے اپنی جیب سے دوسرا ایسا ہی چشمہ نکال کر اپنی آنکھ پر لگایا اور تقریر جاری رکھی۔ قائداعظم کہتے تھے کہ جب میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملنے جاتا ہوں تو دس کروڑ مسلمانان برصغیر کا نمائندہ بن کر سینہ تان کر جاتا ہوں لیکن جب گاندھی کی بغل میں مولوی ابوالکلام آزاد کو دیکھتا ہوں تو میری نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔تحریک پاکستان میں جس قدر کانگریسی دیوبندی علماء نے نقصان پہنچایا وہ کسی غیر مسلم سے نہ پہنچا ہوگا۔ تقسیم برصغیر کے بعد جب ایک مرتبہ مولوی احمد سعید دہلوی نے سردار پٹیل سے کہا کہ ہم نے کانگریس کی بہت خدمت کی ہے اور پاکستان بننے کی مخالفت میں بہت کام کیا ہے تو سردار پٹیل نے کہا مولوی صاحب تم نے کیا کمال کیا تم نے پیسہ لیا کام کیا ہم پر اس کا کیا احسان ۔تم کو تمہارے کام کی مزدوری مل گئی ان کانگریسی مولویوں کو اللہ نے دکھا دیا کہ ان کا ہندو ملک میں کیا مقام رہا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ دیوبندی اور کانگریسی مولوی پاکستان بنانے کے بدترین مخالف تھے لیکن اب پاکستان میں بے انتہاء فوائد حاصل کرنے کے باوجود یہ ملک کے ہنوز مخالف ہیں۔ کچھ عرصہ قبل مولوی فضل الرحمٰن دیوبندی نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔اسی طرح قبل تقسیم ہندوستان جماعت اسلامی نے جس قدر کھل کر پاکستان بنانے کی مخالفت کی اور مولوی مودودی نے قائداعظم کو کافر اعظم کہا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن آج جماعت اسلامی

پاکستان میں اسلام کی چمپئن بنی ہوئی ہے۔ ہاں تو بات آگے نکل گئی جب قائداعظم کے گورنر جنرل بننے کا اعلان ہوا اور معاملات بہت تیزی سے طے کئے جارہے تھے۔ پاکستان کے حصہ کی رقوم کوریزرو بینک آف انڈیا میں تھیں وہ دی جانی تھیں اس کے حصہ کا جو سونا تھا وہ دیا جانا تھا اس کے علاوہ فوج جو پاکستان کے حصہ میں آئی تھی اس کا انتظام کیا جارہا تھا کہ اسی طرح دفاتر کا فرنیچر، ملازمین کی پاکستان روانگی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب مسائل حل کئے جارہے تھے۔ دفاتر میں تمام مسلمان ملازمین کو یہ سرکلر آیا تھا کہ وہ فائنل پاکستان لکھیں یا ہندوستان۔ جو فائنل پاکستان لکھیں گے ان کو پاکستان اسپیشل ٹرینوں میں روانہ کرنا تھا۔ میرے بڑے بھائی مرحوم سیّد مخدوم اشرف نے فائنل پاکستان لکھا تھا وہ اس وقت ریلوے کے سینئر اسٹاف میں تھے۔ میرے ماموں سب نے فائنل پاکستان لکھا تھا۔ میرے چچا سیّد سلطان اشرف جو علاقائی مسلم لیگ کے صدر تھے وہ اپنے بال بچوں کو ہوائی جہاز میں لاہور گوال منڈی چھوڑ کر ۲ مرتبہ اپنے سامان کو قسطوں میں لاہور پہنچارہے تھے میرے دو بھائی الحاج سیّد احمد اشرف صاحب مرحوم اور سیّد طیب اشرف مرحوم چچا اور ماموں کے ساتھ پاکستان روانہ ہوگئے تھے غرض مسلمان بخوشی اپنے لئے اسلامی ملک میں منتقل ہورہے تھے کہ اچانک ہندو ذہنیت جاگ گئی یہ برا لگا کہ مسلمانوں کو ملک بنانے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا بلکہ پھر ایک ملک مل گیا اور یہ سب خوشی خوشی منتقل ہورہے ہیں انہوں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ انگریز کے جانے کے بعد مسلمانوں کو نچلے

درجہ کا غلام بنائینگے۔راجہ رنجیت سنگھ والا ظلم ڈھائینگے اوران کو زبردستی ہندو بنا کر ان سے بدلہ لینگے بھلا یہ کہاں گوارہ تھا کہ مسلمان جوان کی نگاہ میں پلید تھے اور گائے کا پیشاب مسلمان سے زیادہ متبرک ہوتا تھا اور ہے مسلمان بغیر تکلیف اور مع ساز و سامان اپنے نئے ملک منتقل ہو جائیں گاندھی نے ایک اسکیم بنائی کہ پاکستان میں رہنے والے سب ہندو تاجر تمام سرمایہ لے کر ہندوستان آ جائیں اور مسلمان تاجروں کو پاکستان نہ جانے دیا جائے اس طرح پاکستان چند ماہ میں ختم ہو جائیگا اور ہماری خواہش پوری ہو جائیگی لیکن سردار پٹیل بہت متعصب ہندو تھا اور یہ آج کی ہندوستانی متعصب پارٹی بے جے پی والے خیالات رکھتا تھا ان کو محمود غزنوی کے بت شکن ہونے کا قلق تھا وہ بدلہ لینا چاہتا تھا۔ ہندو خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ سب ہی متعصب ہوتے ہیں البتہ چند جو پکے ہندو نہیں ہوتے وہ کچھ نرم ہوتے ہیں اس کے علاوہ ہندو یہ بھی سوچ رہے تھے کہ اگر تمام انتقال مکانی پر سکون اور پُر امن ہوئی تو پاکستان کے حصے میں آنیوالی رقوم جس کو ہضم کرنے کا یہ منصوبہ بنا چکے تھے یہ دینی پڑتی فوجی ساز و سامان جو تقسیم میں پاکستان کے حصے میں آیا تھا وہ دینا پڑتا دیگر سول ساز و سامان بھی دینا پڑتا تو انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ اسکیم بنائی کہ اچانک پورے ملک میں قتل و غارت گری شروع کر دی جائے اور مسلمانوں کو ان کے سامان کے ساتھ جو ٹرین پاکستان لے جائے وہ سب لوٹ کر مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے ان کی کنواری لڑکیاں اغواء کر لی جائیں یا ان سے ان کے ماں باپ کے سامنے

زیادتی کی جائے اور خاص طور پر جو مسلم اکثریتی علاقے کے مسلمانوں نے پاکستان بننے میں اہم کردار ادا کیا ان سے ان کے کیئے کا بدلہ لیا جائے قائداعظم کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں چنانچہ انہوں نے اپنی جائیداد فروخت کردی یہ تمام مسلمانوں کو جو پاکستان جانا چاہتے تھے ان کو اشارہ تھا کہ تم بھی ایسا کرو لیکن مسلمان خواب غفلت میں رہے اور ہندوؤں پر جو ان کے ساتھ عرصہ سے رہ رہے تھے ان پر اعتماد کر کے اپنے مستقبل کیلئے کچھ نہ کیا لیاقت علی خان کی ایک عظیم ریاست میں بہت بڑی جائیداد تھی جو بآسانی فروخت نہ ہوسکتی تھی اور فسادات شروع ہونے سے قبل کوئی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ہندو اس قدر دشمنی کا مظاہرہ کرینگے اور اپنے محلّے والوں، تعلقات والوں، دوستوں سے ایسی بے وفائی کرینگے۔ مسلمان قوم بھولی ہے اور ہر ایک کے جرائم کو بہت جلد بھول جاتی ہے۔ مسلمان قوم برائی کو بھولنے اور رواداری کو قائم رکھنے کی عادت ان کی فطری اور سچائی کیوجہ سے ہے چنانچہ وہ لالہ جی سے اپنے پرانے تعلقات کو یاد رکھتے ہوئے ان سے بدگمان نہ ہوئے جبکہ ہر ہندو بدنیت بدباطن تھا اور ہے یہ اس کی جبلت خاص ہے کہ برائی کو دل میں چھپا کر رکھو اور جب وقت آئے تو اس کا اظہار کرو۔ جب قائداعظم دہلی سے بحیثیت پہلے گورنر جنرل آف پاکستان کراچی مراجعت کر گئے اور لیاقت علی خان سردار نشتر وغیرہ سب اہم رہنما پاکستان مراجعت کر گئے اور مسلمان اسپیشل ٹرینوں میں برابر پاکستان سفر کر رہے تھے تو ہندو اور سکھوں کو بہت کھل رہا تھا۔ مسلمان بہت خوش خوش پاکستان

جارہے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے چھوٹے ماموں جو DGS & ND میں تھے ان کو پاکستان روانہ کرنے ہم سب بھائی اسٹیشن گئے تھے ان کو خوب ہار پھول پہنائے اور اچھی تمناؤں و خواہشوں سے رخصت کیا۔ یہ اپنا تمام سامان بک کرواچکے تھے۔ ہمارے بڑے بھائی سیّد مخدوم اشرف مرحوم جو ریلوے میں ملازم تھے انہوں نے فائنل پاکستان لکھا تھا ان کے نام سے ہم نے بھی تقریباً چار بڑے ٹرنکوں میں ضروری سامان مثلاً پہننے کے کپڑے، سلائی مشین، لحاف، شالیں، برتن وغیرہ رکھ کر اس پر ٹاٹ لپیٹ کر سی دیا گیا۔ والدہ ہر ٹرنک میں سامان رکھ کر آیت الکرسی پڑھ کر دم کرتی رہیں۔ یہ سب سامان بک کردیا گیا اور اللہ کے سپرد کر کے روانہ کردیا گیا۔ میرے ایک بھائی ایک ماموں دوسرے بھائی چچا کے ساتھ پاکستان روانہ کردیئے گئے۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ ہمارے چچا سیّد سلطان اشرف دہلی میں علاقائی مسلم لیگ کے صدر تھے ان کے تعلقات سب ہی رہنماؤں سے تھے جن میں جواہر لال نہرو، گاندھی، ابوالکلام آزاد وغیرہ شامل ہیں اس کے علاوہ چچا جان وکالت بھی کرتے تھے اور بہت سوشل تھے۔ ماشاء اللہ کافی مالدار بھی تھے۔ ان کا وطیرہ تھا کہ ہر بدھ کو یہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کی درگار پر حاضری دیتے اور فقراء کو کھانا کھلاتے تھے۔ ۱۰۰ پرندے خرید کر آزاد کرتے تھے۔ گیارہویں ۱۲ بارہویں شریف کی محافل بڑے اہتمام سے منعقد کرتے۔ چنانچہ پاکستان بننے کے بعد یہ اپنے بال بچے لاہور گوالمنڈی میں اپنی بیوی کے ماموں جو لاہور میں

رہتے تھے، ان کے ہاں چھوڑ گئے اور ۳ مرتبہ سامان لے لے کر ہوائی جہاز سے لاہور آئے اور گئے۔اس وقت دہلی سے لاہور کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ ٦٠ روپیہ کا تھا۔ جہاز بھی چھوٹے تھے۔ ۲۵ سیٹوں والے یہ ٹاٹا کمپنی کے جہاز تھے۔ ہندوستان سے مسلمان جس قدر خوش خوش پاکستان اپنے نئے اسلامی ملک ہجرت کر رہے تھے۔ اسی قدر ہندوؤں کے جلن بغض وعناد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ادھر گاندھی جو بے انتہا شاطر اور بدطینت تھا اس نے یہ اسکیم تیار کی کہ پاکستان میں شامل علاقوں میں جو مہاجرین ہندو تجارت کرتے تھے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنی دولت لے کر ہندوستان آجائیں تاکہ مسلمانوں کیلئے ملک کی تجارت ٹھپ ہوجائے اور یہ نیا ملک مالی بحران سے جلد از جلد ختم ہوجائے۔ دوسری طرف اس کی یہ اسکیم تھی کہ کسی طرح مالدار مسلمانوں کو پاکستان جانے سے روکا جائے اور جو مسلمان اپنا مال دولت پاکستان منتقل کر رہے ہیں وہ روکا جائے۔ ہندوستان نے فیصلہ کرلیا تھا کہ تقسیم ملک کے نتیجہ میں جو خزانہ کا حصہ پاکستان کے حصے میں آیا تھا وہ نہ دیا جائے۔ جو فوجی ساز وسامان اور مشینری پاکستان کے حصے کی تھی وہ بھی روک لی جائے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن جس کی بیوی سے نہرو کے ناجائز تعلقات تھے وہ اپنی بیوی کے کہنے سے ہر وہ کام کر رہا تھا جس سے پاکستان کو نقصان پہنچے۔ آج بہت سے تحریک پاکستان اور تاریخ پاکستان سے نابلد افراد بہت آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ اگر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا بھی گورنر جنرل بنادیا جاتا تو بہت فائدہ ہوتا وہ ان حالات سے ناواقف ہیں اور ہند

وانگریز کی شاطرانہ چالوں سے لاعلم ہیں۔ بھلا ایک ملک کا گورنر جنرل دوسرے ملک کے معاملات کو کیسے حل کرسکتا ہے اور اگر دوملکوں جن کا مفاد مختلف ہو نظریہ، مذہب سب کچھ مختلف ہو تو وہ دونوں ملکوں کے عوام کے حقوق اور مفاد کو کیسے ایک دوسرے کے مفادات کے ٹکراؤ سے بچایا جاسکتا ہے جبکہ ایک ملک کا گورنر جنرل اپنے ملک کے مفادات کی حفاظت خوب کرسکتا ہے۔ بہرحال یہ اس قسم کی تاویلات صرف کانگریسی ذہنیت کے افراد ہی پیش کرتے ہیں جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

میں یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہندوستان کی تقسیم سے قبل بھی جو علاقے ہندو اکثریت کے علاقے تھے وہ پہلے ہی کافی ترقی یافتہ تھے۔ ہندوؤں نے ترک موالات اور خلافت کی تحریکوں کے دوران انگریز سے بہت زیادہ فوائد حاصل کررکھے تھے۔ جبکہ نئے ملک پاکستان کے حصہ میں آنے والے علاقے زیادہ تر پسماندہ تھے، مثلاً پنجاب میں تو کچھ ترقی کے ذرائع تھے لیکن اس کی تقسیم نے وہ ذرائع بھی چھین لئے تھے۔ سندھ سوائے چند شہروں کے سب ریگستان اور وڈیرہ شاہی کے تحت انتہائی پسماندہ تھا۔ بلوچستان اور صوبہ سرحد قبائلی رسم و رواج اور سرداری نظام کے تحت ناخواندہ پسماندہ تھے۔ بنگال کی تقسیم میں بھی ترقی یافتہ بنگال۔ ہندوستان میں چلا گیا تھا باقی ماندہ بنگال صرف جوٹ کی کاشت کے سوا انتہائی پسماندہ تھا غربت ہر طرف نظر آتی تھی۔ اوپر سے یہ کہ جو کچھ تھوڑا بہت حصہ

تقسیم ملک کی وجہ سے ملنا تھا وہ ہندوؤں نے روک لیا تھا یہاں تک کہ حکومت پاکستان کے سرکاری دفاتر کے لئے بلڈنگیں نہیں تھیں۔ دفاتر میں قلم دوات بیٹھنے کیلئے لکھنے کیلئے میز کرسی نہیں تھی۔ پاکستان کا گورنر جنرل سندھ کے گورنر ہاؤس میں مقیم ہوا۔ پاکستان کے وزیراعظم کو ایک زینہ ٹوٹی پرانی چھت کی عمارت دی گئی تھی جس عمارت سے کہیں زیادہ عمدہ اور خوشنما کوٹھی وہ دہلی چھوڑ آئے تھے اور وزراء کو عام سے مکانات یا پرانی کوٹھیاں ملیں تھیں۔ ہندوؤں کے ایک بد باطن لیڈر سردار پٹیل دل کا کالا اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا اس کو پھر تقسیم ملک سے قبل والی وزارت داخلہ دی گئی یا اس کی طلب پہ ایسا کیا گیا۔ ہندو لیڈروں کا خیال تھا کہ پاکستان ڈھائی ماہ سے زیادہ عرصہ نہ چل سکے گا اور ختم ہوکر مسلمان لیڈر بدنام ہوکر ہمیشہ کیلئے ایک الگ وطن کے مطالبہ سے حاصل شدہ ملک ٹوٹنے کی جانب ہو جائیں گے ظاہری حالت بھی ایسی ہی تھی۔ بہرحال ہمارے ماموں جب دہلی سے روانہ ہوئے ان کی اسپیشل ٹرین شاید آخری ٹرین تھی جو کہ محفوظ اور صحیح سلامت کراچی پہنچی۔ سردار پٹیل نے گاندھی کی خطرناک اسکیم کے برخلاف مسلمانوں سے اور پاکستان سے بدلہ لینے کی ٹھانی اس نے بہت منظم طریقے پر مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے لوٹ مار کرنے مسلمان لڑکیوں اور شریف خواتین کو بے عزت کرنے کا مذموم منصوبہ بنایا۔ مسلمان ہمیشہ کی طرح بے فکر اور بلاخوف وخطر اپنے پروگرام پر عمل پیرا تھے۔ ماہِ رمضان کی ۲۷ویں شب ۱۴/اگست کو پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا اور ذی الحجہ یعنی

بقرہ عید کے مہینہ میں اچانک ہم نے سنا کہ دہلی سے قریب گڑھ مکھتیشور میں ہندو مسلم فساد ہوگیا اور وہاں ہندو غنڈوں نے مسلمانوں کا قتل عام کردیا۔ وہاں سے مسلمان لٹے پٹے دہلی پہنچنے لگے۔ یہ پہلا فساد تھا جس نے پورے ہندوستان میں آگ لگادی پھر تو پورے ہندوستان میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگیا۔ اب فسادات نے نیا روپ اختیار کیا۔ ہندو غنڈے پیچھے ہوگئے اور سکھوں کی نوجوان نفری نے ان کی جگہ لی اور اپنی ناعاقبت اندیشی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اپنی مذہبی تلوار کرپان کو جو اس کے مذہب میں اس کی اپنی جان کی حفاظت کیلئے دی گئی تھی وہ بلاجھجک مسلمانوں کے جسموں کو کاٹنے اور قتل کیلئے استعمال ہونے لگیں۔ سکھ بلوائی، ہندو غنڈے مل کر راتوں کو مسلمانوں کے محلوں پر حملہ آور ہوتے۔ بوڑھوں جوانوں کو تہہ تیغ کرتے اور نوجوان لڑکیوں کو اغواء کر کے لے جاتے۔ ان کو بے عزت کر کے قتل کردیتے۔ ماؤں کی گودوں سے شیر خوار بچوں کو چھین کر ان کی ماؤں کے سامنے بچے کی ایک ٹانگ اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر دوسری ٹانگ کھینچ کر دو ٹکڑے کردیتے۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر ان کے شوہروں کے ہاتھ میں دے کر ان کو قتل کردیتے۔ غرض ظلم کا کوئی بدترین حربہ نہ تھا جو ہندوؤں اور سکھوں نے استعمال نہ کیا ہو۔ ایک دردناک واقعہ جس کو دیکھ کر جواہر لال نہرو بھی کانپ گیا اور یہ کہے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ عمل کسی ہندو ذات کے ادنیٰ درجے والا بھی نہیں کرسکتا۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان نوعمر لڑکی کو سکھ غنڈے پکڑ لائے، اور اس کے چاروں ہاتھ پاؤں باندھ

دیئے اور پھر اس کے ساتھ سکھوں نے باری باری اپنی ہوس کو پورا کیا اس کی چیخوں پر یہ بدمعاش قہقہے لگاتے۔ سامنے اس بدنصیب لڑکی کی ماں اور باپ رسیوں میں جکڑ کر کھڑے کرا دیئے گئے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے یہ وحشیانہ کھیل کھیلا جا رہا تھا کہ اتنے میں اتفاق سے جواہر لال نہرو جو ہندوستان کا وزیر اعظم تھا وہ دورہ کرتا ہوا اس علاقہ میں پہنچا تو یہ منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا تو اس کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ لڑکی بے ہوش تھی اور آخری سانس لے رہی تھی۔ نہرو نے اسے جب آزاد کرایا اور ہاتھ پاؤں کھلوائے تو یہ خون میں لت پت لڑکی چند لمحے بعد دنیا سے کوچ کر گئی۔ نہرو نے اس کے ماں باپ کو رسیوں سے چھڑایا تو باپ کی ٹانگیں کٹی ہوئی تھیں تو ماں کی چھاتیاں کاٹ دی گئی تھیں۔ رسیوں سے آزاد ہو کر یہ ماں باپ بھی صدمہ برداشت نہ کر سکے اور زخموں سے چور یہ دونوں بھی دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ ہندوؤں کا اخبار ''پرتاب'' خوب نمک مرچ لگا کر مسلمانوں کے خلاف آگ بھڑکا رہا تھا۔ ان کو مسلمان بادشاہوں کے مظالم کی من گھڑت داستانیں لکھ کر ان کے جوش کو مزید بھڑکا رہا تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض میں فسادات نے مسلمانوں کا جینا مشکل کر دیا۔ دہلی میں لیاقت علی خان کی کوٹھی گل رعنا میں پاکستانی فوج کی ایک بٹالین کو چھوڑا گیا تھا کہ جہاں مسلمانوں کی پناہ گاہ بنایا گیا تھا یہاں سے نئی دلی اسٹیشن زیادہ قریب تھا اور یہاں سے ٹرینیں پاکستان کیلئے روانہ ہوتی تھیں۔ جب اکثر شہروں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو چکا تو پھر ایک منظم اسکیم کے

تحت ان مسلمانوں کو جو ٹرینوں میں پاکستان جا رہے تھے ان کو لوٹنے اور قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ طریقہ یہ اختیار کیا گیا جب ٹرین امرتسر سے گزر کر واہگہ کی طرف کوچ کرتی تو گاڑی اچانک رک جاتی اور پھر انجن ڈرائیور انجن بند کر کے غائب ہو جاتا پھر اچانک سکھ غول کی شکل میں گاڑی پر ٹوٹ پڑتے۔ مردوں کو قتل کر دیتے سامان لوٹ لیتے اور جوان لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتے اور بوڑھی عورتوں کے ٹکڑے کر دیتے۔ ٹرین کے مسافر سب نہتے ہوتے تھے جب ٹرین مکمل کٹ جاتی لٹ جاتی تو ڈرائیور آ کر ٹرین چلا کر لاہور لے آتا۔ یہ ٹرینیں امرتسر سے قبل یا بعد لوٹ مار کا شکار ہوتیں۔ شاید ہی کوئی خوش قسمت مسافر زندہ بچتا ہوگا۔ دہلی جو دارالخلافہ تھا اس میں اسقدر غنڈہ گردی اور قتل و غارت گری کی جا رہی تھی جو ہندوستان بھر کے فسادات کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی۔ ہر طرف ہر محلّہ جو اطراف سے ہندوؤں کے محلوں سے گھرے ہوتے تھے وہ سب ہی لوٹ مار کا شکار تھے۔ دہلی کی جامع مسجد بھی فسادات سے متاثرہ لوگوں کی پناہ گاہ بن گئی تھی جو سب کچھ لٹا کر یہاں پناہ گزیں ہوتے تھے ان کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ ایک وقت کی روٹی کھاتے۔ چنانچہ مسلم محلوں میں کچھ مخیّر حضرات کھانے پکوا کر ان بدنصیب فساد زدہ لوگوں کو پہنچا رہے تھے۔ پاکستان آرمی کا جو دستہ لیاقت علی خان کی کوٹھی گل رعنا میں مقیم تھا وہ برابر دورہ کر کے مسلمانوں کی مدد کر رہا تھا اور بعض مرتبہ فائرنگ کر کے مسلمانوں کو بچا کر نکال لاتا تھا۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی ہندو، سکھ غنڈے مسلمانوں کو تہہ تیغ کر کے مال

لوٹ کر مکانوں کو آگ لگا دیتے تھے۔ فائر بریگیڈ کیونکہ ہندوؤں کا تھا تو وہ آگ نہ بجھاتا تھا، بلکہ ایسے وقت جائے حادثہ پر پہنچتا تھا جب سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا تھا۔ ہمارے چچا جان سیّد حضرت سلطان اشرف کیونکہ قطب روڈ یعنی ہندو علاقہ میں رہتے تھے ان کے ہر طرف ہندو تھے یہ واحد مسلمان گھر تھا۔ چچا کیونکہ اپنے بال بچوں کو لاہور چھوڑ کر ۲۔۳ مرتبہ ہوائی جہاز سے سامان لے لے کر آ رہے تھے تو جب وہ تیسری مرتبہ لاہور آئے تو ان کے پیچھے ان کے مکان پر سیل لگا دی گئی یعنی ان کا مکان سیل کر دیا گیا۔ جب یہ واپس پہنچے اور جواہر لال نہرو سے ملے تو ان کو کہا گیا کہ ۹ رمحرم کو تمہارے گھر کی سیل کھول دیں گے۔ ان کی ایک طویل کہانی ہے صرف اتنا بتانا مقصد ہے کہ ۹ رمحرم کو جبکہ یہ روزے کی حالت میں اپنے گھر پر سیل کھلنے کے انتظار میں تھے تو ۴۸ ہندوؤں نے ان کو شہید کر دیا ان کی لاش ۳ دن کے بعد دستیاب ہوئی اور بدھ کے روز یہ حضرت سلطان نظام الدینؒ کی درگاہ میں دفن کئے گئے۔ یہ ہر بدھ کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی درگاہ جایا کرتے تھے اور بدھ ہی کے روز ہمیشہ کیلئے وہاں پہنچ گئے۔ چچا کی شہادت کے وقت میری دادی مرحومہ ۸۴ سال کی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ صرف چچا شہید جن کی عمر صرف ۴۶ سال تھی ان کی میّت پر خاموش آنسوؤں کے ساتھ ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر یہ فرما رہی تھیں بیٹا تم مجھے اس پیرانہ سالی میں چھوڑ گئے اور فرماتی تھیں بیٹا تمہیں شہادت مبارک ہو میں بھی ایک شہید کی ماں بن کر اللہ کے دربار میں حاضر ہونگی۔ والد صاحب قبلہ

قطب ربانی شاہ سیّد محمد طاہر اشرف الجیلانی جنھوں نے اپنے والد مرحوم کے وصال کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو پالا تھا پڑھایا لکھایا تھا ان کے صدمہ میں پہلی مرتبہ اختلاج قلب کا شکار ہوئے۔اس طرح نہ معلوم کتنے گھر اُجڑ گئے۔ کتنی ماؤں کی گود خالی ہوئی، کتنی سہاگنوں کے سہاگ اجڑ گئے۔ دراصل ہندوؤں کا پروگرام تھا کہ مسلمانوں کو تیسرے درجہ کا شہری بنا کر رکھا جائے جیسا کہ آج ہندوستانی دستور میں مسلمانوں کو پسماندہ قوم کے کالم میں رکھا گیا ہے جیسے دھوبی، چمار، بھنگی۔ قائداعظم نے اپنی تمام تر کوششوں کے بعد کہ کسی طرح ہندو مسلم اتحاد ہو اور انگریز کو سب مل کر رخصت کریں لیکن ہندو ذہنیت نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ ایک الگ وطن حاصل کیا جائے۔ مجھے یاد ہے کہ دہلی کے اکثر محلے اطراف سے ہندو محلوں میں گھرے ہوئے تھے۔ دہلی کی جامع مسجد کا علاقہ جو مسلم آبادی کا علاقہ کہلاتا ہے اور تھا اس کے بھی اطراف میں ہندو آبادیاں پھیلی ہوئی تھیں، چنانچہ اپنی اکثریت اور حکومت کے بل پر یہ تخت و تاراج کر رہے تھے۔ ہمارا محلّہ جو ایک پہاڑی پر واقع تھا اس کی پشت پر سیتارام بازار لگتا تھا جو ٹھیٹھ ہندو آبادی کا علاقہ تھا۔ چنانچہ ہندو اکثر رات کی تاریکی میں حملے کرتے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ پہلے مسلمان محلوں کی پولیس تلاشی لیتی تھی کہ کہیں مزاحمت کا سامان نہ ہو اور مطمئن ہو کر یہ ہندو غنڈوں کو گرین سگنل دے دیتی اور پھر اس رات کو مسلمان محلے پر قیامت ٹوٹ پڑتی تھی۔ دہلی کے بہت سے مسلمان محلے والوں نے زبردست مقابلہ کیا اور ہندو سکھ غنڈوں کو کافی تعداد میں ٹھکانے لگا دیا

لیکن پھر سردار پٹیل نے مسلح پولیس کی نفری ساتھ کردی آگے آگے پولیس گولیاں چلاتی پیچھے پیچھے ہندو سکھ غنڈے لوٹ مار کرتے قتل و غارت گری کرتے۔ رات کو اکثر محلوں پر حملے ہوتے تو یہ صدا آتی پیپل مہادیوتا کی جئے ادھر مسلمان نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی صدا لگاتے۔ ہمارے والد صاحب روز ہمارے مکان کی بلائی منزل پر جا کر پورے محلے کا حصار کردیتے اور محلے والے مطمئن ہوجاتے۔ لیکن ایک روز اچانک پولیس دن میں ہمارے محلے میں داخل ہوئی اور گھر گھر تلاشی لینے لگی۔ یہ نشانی تھی کہ آج ہمارے محلے پر حملہ ہوگا۔ ہمارے دو بھائی پاکستان جا چکے تھے اور میں اور میرے بڑے بھائی سیّد مخدوم اشرف مرحوم دہلی میں رہ گئے تھے۔ پولیس کے جاتے ہی محلّہ کے معززین نے مسجد میں میٹنگ کی اور طے پایا کہ بڑے مدرسہ میں تمام مستورات کو جمع کردیا جائے اور جدھر سے حملہ کا خطرہ تھا اس طرف درخت کے گدے کاٹ کر لگادیئے گئے جیسے بڑی غلیل ہوتی ہے جس میں سائیکل کے ٹیوب باندھ کر غلا بنادیا گیا۔ محلے کے سب نوعمر بچے گلی کے پتھر نکالنے پر لگادیئے، محلے کے اطراف لوہے کے گیٹ پہلے ہی لگے ہوئے تھے یہ بند کردیئے گئے۔ محلّہ کیونکہ کافی بلندی پر تھا اور حملہ آور کافی نیچے سے اوپر آرہے تھے اس لئے ہمیں فائدہ تھا۔ چنانچہ رات کو ٹھیک ۱۱ بجے گھنٹے بجنے لگے اور رام کی جئے، گئو ماتا کی جئے، پیپل مہادیو کی جئے کے نعرے بلند ہوئے۔ ہمارے بزرگوں نے اپنی چھتوں پر سے معائنہ کیا تو یہ غنڈے ننگی تلواریں، برچھیاں، بلم اور بڑے بڑے چھرے ہاتھوں میں لئے محلّہ پر

حملہ آور تھے۔ آگے آگے مسلح پولیس تھی جو لوہے کے خود سروں پر رکھ کر آگے بڑھ رہی تھی۔ جب یہ سب قریب آئے تو بزرگوں نے نوجوانوں کو اشارہ کیا اور بیک وقت ۵۔۵ کلو کے پتھر غلیل نما درختوں کے گدوں سے بندھی سائیکل کی ٹیوب میں رکھ کر کھینچے اور چھوڑ دیئے۔ یہ پتھر جس کسی کے اوپر گرے اسے واصل جہنم کر دیا۔ پولیس کی گولیاں وہ اثر نہ کرتی تھی جو ان پتھروں نے کیا۔ بہت کافی ہندو پولیس کے جوان مارے گئے۔ چار گھنٹے یہ کھیل جاری رہا آخر یہ غنڈے اور پولیس کے مسلح دستے پسپا ہو گئے لیکن حملہ بند نہ کیا۔ صبح نیم فوجی دستہ آ گیا اس نے مکانوں کی چھتوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ فوج اور پولیس کا مقابلہ کون کر سکتا تھا ہر فرد پریشان تھا کہ اتنے میں پاکستانی فوج کا دستہ جو لیاقت علی خان کی کوٹھی میں متعین تھا اس کے ۴ سپاہی بڑے فوجی ٹرک میں آئے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ محلے پر نیم فوجی دستہ فائرنگ کر رہا ہے تو یہ محلے کی سب سے اونچی عمارت پر چڑھ گئے اور برین گن سے جوابی فائرنگ کی جس سے وہ سب بھاگ گئے حملہ پسپا کرنے کے بعد ان فوجیوں نے کہا کہ آپ محلّہ خالی کر دیں جو کچھ لے جا سکتے ہیں وہ لے لیں اور ہمارے فوجی ٹرک میں سوار ہو جائیں۔ ہم آپ کو پرانا قلعہ پہنچا دیتے ہیں بہت کافی لوگ محلّہ خالی کر کے چلے گئے لیکن ہمارے والد صاحب نے انکار کر دیا وہ نہیں گئے اور پھر الحمداللہ کبھی حملہ نہیں ہوا۔ چچا جان کی شہادت کے بعد یہ ضروری تھا کہ والد صاحب چچا کے بچوں کے پاس جائیں، چنانچہ والد صاحب، والدہ، بڑی چھوٹی ہمشیرہ

B.OAC کے ڈیکوٹا جہاز میں لاہور روانہ ہوئے۔ میں بڑے بھائی مرحوم ان کی اہلیہ بڑے بہنوئی رہ گئے۔ والد صاحب کے جانے کے بعد مولوی احمد سعید دہلوی ہمارے گھر آیا اور کہا کہ یہ سب سامان جمعیت کا ہوگیا کیونکہ مولانا طاہر اشرف ہندوستان کے باغی تھے وہ چلے گئے لیکن ہمارے کئی ایک رشتہ داروں نے مداخلت کر کے مولوی کو واپس کر دیا اس نے پولیس کو مخبری کر دی کہ طاہر اشرف صاحب کے بچے ابھی یہاں موجود ہیں ان کو گرفتار کر لیا جائے۔تو پولیس ہمارے گھر پر آئی۔ میں نے چھت پر چڑھ کر برابر والی چھت پھلانگ کر پناہ لی۔ پرانا دہلی پرانے لاہور کی طرح ہے۔تمام مکانات کی چھتیں ملی ہوئی ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی احمد سعید دہلوی نے سردار پٹیل سے کہا کہ ہم نے کانگریس کا ساتھ دے کر کافی پاکستان بنانے والوں کا نقصان کیا ہے ہمیں اس کا حصہ ملنا چاہئے تو پٹیل نے کہا مولوی صاحب تم نے کیا کمال کیا تم نے پیسہ لیا اور کام کیا ہم پر احسان کیا تمہیں تمہارے کام کی مزدوری مل گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر کانگریسی مسلمان ہندو ذہنیت کو سمجھ لیتے تو کبھی کانگریس کا ساتھ نہ دیتے لیکن افسوس آج پاکستان میں یہی احراری نصر اللہ خان، مولوی فضل الرحمٰن، ولی خان، اور ان جیسے کتنے ہی پاکستان بننے کے ثمرات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن ابھی تک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کرتے اور کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے کہ ملک کی اساس کو کمزور نہ کر دیں۔ نہ انہوں نے کوئی قربانی دی نہ ان کو پتہ کہ قربانی کیا ہوتی ہے بلکہ یہ تو ملک کو لوٹنے

کھسوٹنے پر لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے وارنٹ گرفتاری جاری کرا دیئے گئے تھے اس لئے ہم محتاط ہو گئے تھے گھر سے نہ نکلتے تھے اور پاکستان جانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ ہوائی جہاز کا ٹکٹ جو ۶۰ روپے کا تھا وہ ہم کو محلے کے ایک ایجنٹ نے ۱۲۰ روپے کا دلایا۔ آخر ہم بھی اتنا بھرا گھر چھوڑ کر ایک محلے کے صوفی کے حوالے کر کے رات کے ۴ بجے گھر سے نکلے۔ ٹیکسی جو ایک سکھ کی تھی اس میں سوار ہوئے یہ ٹیکسی والا سکھ شاید کچھ اچھا تھا یا ہماری زندگی تھی جو یہ ہمیں لے کر نئی دہلی میں واقع صفدر جنگ کے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہوا۔ بڑے بھائی اور بڑے بہنوئی جن کی داڑھیاں تھیں ان پر سفید پٹی بندھوا دی کہ دور سے سکھ معلوم ہوں میں چھوٹا تھا ہم نے ۲۔۲ جوڑے اوپر تلے پہن لئے تھے گلے میں ۱۰۰۔۱۰۰ روپیہ کے نوٹ کا تعویذ بنا کر پہن لیا تھا۔ راستے میں گیٹ آف انڈیا دہلی پر سکھ ننگی چمکدار تلواریں لئے ٹہل رہے تھے۔ انہوں نے تلوار اٹھا کر کار کو روکا۔ کار آہستہ ہوگئی سب سمجھے کہ ہمارا وقت آ گیا لیکن ڈرائیور نے سکھوں کے قریب آ کر ایکسیلیٹر دبا دیا اور کار جمپ مار کر بھاگ گئی یہ پیچھے بھاگے لیکن قریب نہ آ سکے تو انہوں نے تلواریں مار پھینکیں لیکن ہم بچ گئے۔ ہم صفدر جنگ کے ہوائی اڈے پہنچے جو آج کل ہندوستان کا ایرو کلب بن گیا ہے۔ اس زمانے میں جہاز کیلئے سامان کے علاوہ انسان بھی تولے جاتے تھے چنانچہ ہمارا وزن کیا گیا پھر اندر چلے گئے۔ ادھر پولیس کو کسی نے مخبری کر دی کہ سیّد طاہر اشرف کی فیملی ہوائی جہاز سے پاکستان جا رہی ہے چنانچہ پولیس ہم کو گرفتار کرنے روانہ ہوئی

اتنے میں گھنٹی بجی اور ہم کو جہاز میں سوار کر دیا گیا۔ جہاز اس قدر چھوٹا تھا کہ ایک بڑے ڈبے پر چڑھ کر ہم جہاز میں سوار ہو گئے۔ پیٹی باندھ لی گئی کانوں میں روئی ٹھونس لی گئی اور جہاز پرواز کر گیا جب جہاز دہلی کی حدود سے باہر چلا گیا تو پولیس پہنچی۔اس زمانے میں اتنا اچھا راڈار سسٹم نہ تھا اور نہ وہ ہمارے جہاز کو واپس بلا سکتے تھے۔ جب ہمارا جہاز جس کی کھڑکی والی سیٹ پر میں بیٹھا تھا دریائے بیاس پر پہنچا تو نیچے کا اندوھناک منظر نظر آیا کہ ہر طرف ریلوے لائن پر لاشیں ہی لاشیں جنہیں کتے، بلیاں کھا رہے تھے گدھ نوچ رہے تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں میں مذہبیت زیادہ تھی اور اکثر مسلمان داڑھی رکھتے تھے تو یہ معصوم شکلیں بہ آسانی پہچانی جاسکتی تھیں۔ اکثر لاشیں سر بریدہ تھیں یا دو دو ٹکڑوں میں تھیں۔ ریل کے ڈبے ریلوے لائن پر کھڑے تھے۔غرض ہم لاہور والٹن کے ہوائی اڈے پر پہنچے تو ہمیں پاکستانی جھنڈا نظر آیا تو ہم سب غم بھول گئے اور جہاز ہی میں ہم نے پاکستان زندہ باد نعرہ لگایا۔ ہمارا یہ سفر ایک گھنٹہ ۱۵ منٹ کا تھا جبکہ اب آدھ گھنٹہ لگتا ہے۔ والٹن ایئر پورٹ سے ہم پہلے بس میں کمپنی کے دفتر پھر تانگے میں رنگ محل محلّہ سیٹھاں آ گئے۔

لاہور میں ہر طرف بلڈنگیں گری پڑی تھیں یہاں کے مسلمانوں نے ہندو غنڈوں کی زیادتی سن کر یہاں کے ہندوؤں کو سزا دی تھی لیکن عورتوں کی بے حرمتی جیسے جرم نہ کئے تھے یہاں بھی ہندو سکھ بھاگ گئے تھے۔ایک روز ایک اسپیشل ٹرین مکمل کٹی ہوئی آئی تو قائداعظم، لیاقت علی خان، سردار نشتر، اسٹیشن خود دیکھنے گئے

تھے۔ قائداعظم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اس وقت حکومت پاکستان پر بہت مشکل وقت تھا ایک طرف نوزائیدہ مملکت کے پاس کچھ نہیں دوسری طرف ۸۰ لاکھ مہاجر لٹے پٹے، کٹے ہر طرف سے ملک کو تباہی سے اور ختم ہونے سے بچانا۔ غرض بہت کچھ کرنا تھا۔ یہ کہنا بہت آسان ہے کہ پاکستان قائم ہو گیا لیکن کے اس کے قیام میں کیا کچھ قربانیاں دی گئی کتنی عصمتیں لٹیں، کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں، کتنے گھر اُجڑ گئے اس کی حد نہیں، کتنی ماؤں کی گودیں خالی ہوئیں، کتنی جوان لڑکیاں اغواء ہوئیں جو نہ معلوم کس ہندو یا کس سکھ کے گھر میں اپنے بچھڑے ماں باپ کا غم لئے یا تو زندہ ہوں گی یا موت کی وادی میں دھکیل دی گئی ہوں گی۔

قائداعظم کو ۴۶ء میں ان کے ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اگر آپ نے مکمل آرام نہ کیا تو آپ کا مرض بڑھ جائے گا اور آپ ایک سال سے زیادہ نہ جی سکیں گے۔ ڈاکٹر سے یہ سن کر قائداعظم نے سختی سے منع کیا تھا کہ سوائے فاطمہ کے کسی اور کو میری اصل حالت کے متعلق نہ بتایا جائے۔ یہاں تک لیاقت علی خان سے بھی بیماری کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کے پاکستان بننے کے بعد بیگم رعنا لیاقت علی خان جو ایم اے اکنامک اور بہت سوشل تھیں ان کے شوہر وزیراعظم بنے تو جہاں ان کے شوہر ہر دم پاکستان کی بنیادوں کو مضبوط بنانے اور ملک کو تباہ کن حالات سے نکالنے میں مصروف رہتے تھے وہاں بیگم صاحبہ نے بھی عورتوں کے

سیکشن کو لے لیا تھا اور ایک آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن (APWA) بنا کر ناخواندہ اور لاچار عورتوں، بچیوں کی امداد کرنے کا انتظام کیا تھا اور وہ بہت زیادہ مقبول ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف محترمہ فاطمہ جناح جو زیادہ قابل اور سوشل تو نہیں تھیں لیکن اپنے عظیم بھائی کی نسبت سے پاکستانی قوم کی آنکھوں کا تارہ تھیں لیکن انگریزی کے مقولے کے تحت عورتیں اور گھڑیاں متفق نہیں ہوتیں دوسری نسوانی رقابت بھی اپنا کام دکھا رہی تھی چنانچہ فاطمہ جناح یہ پسند نہیں کر رہی تھیں کہ کوئی دوسری عورت بھی انکی طرح یا ان سے زیادہ مقبول ہو اور کوئی درجہ پا سکے۔اس کا نتیجہ ظاہر تھا فاطمہ جناح، بیگم رعنا لیاقت علی خان کے خلاف ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ خود قائداعظم کی روز بروز گرتی ہوئی حالت سے بھی وزیراعظم کو مطلع نہ رکھا جاتا تھا۔ فاطمہ جناح کیونکہ اپنے بھائی کی دیکھ بھال اور علاج معالجے کے سلسلہ میں حتمی حیثیت رکھتی تھیں تو ان کے کسی معاملے میں مداخلت کا کسی کو اختیار نہ تھا۔اس کا اندازہ اس ایک بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب قائداعظم اپنی آخری سانس لے رہے تھے تو بقول ہاشم رضا جو کراچی کے ایڈمنسٹریٹر تھے اور فاطمہ جناح کے شیعہ ہونے کے ناطے زیادہ قریب تھے۔انہوں نے اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ لیاقت علی خان کو حکم تھا کہ جب گورنر جنرل ہاؤس پر جھنڈا الہراتا نظر آئے تب وہ گورنر جنرل ہاؤس کا رخ کریں اور اس پر لیاقت علی خاں کو بہت افسوس بھی تھا کہ مجھے اس قدر غیر اور لاتعلق سمجھا گیا کہ قائد کی اس قدر خطرناک حالت سے بھی آگاہ نہ کیا گیا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ جب غیر منقسم ہندوستان میں ڈاکٹر نے قائداعظم کو مطلع کیا تھا کہ آپ کی زندگی کا ایک سال باقی رہ گیا ہے تو قائداعظم نے ڈاکٹر کو سختی سے منع کیا تھا کہ سوائے فاطمہ کے کسی اور کو اس کی خبر نہ ہو۔ تو فاطمہ جناح نے اس خبر کو اس قدر خفیہ رکھا کہ لیاقت علی خاں کو بھی قائداعظم کی حالت غیر سے مطلع نہ کیا اور قائداعظم اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب قائداعظم کوئٹہ زیارت میں اپنی آخری زندگی کے ایام گزار رہے تھے اور فاطمہ جناح ان کے ساتھ وہاں مقیم تھیں اور اپنے عظیم بھائی کی دیکھ بھال پر متعین تھیں تو اس وقت بدحال پاکستانی قوم کی ناخواندہ، غیر ہنرمند خواتین کی دستگیری اور اس کو معاشرہ میں خاص مقام دلانے کیلئے بیگم لیاقت علی خان دن رات سرگرداں تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بیگم صاحبہ کیونکہ ہندو سے مسلمان ہوئی تھیں اور اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نہ تھیں تو انہوں نے بہت سے ایسے اقدامات بھی کیے جو عام علمائے کرام کیلئے قابل اعتراض تھے۔ یہاں ایک اور بات بتاتا چلوں وہ یہ کہ رعنا لیاقت علی خان شروع میں خان لیاقت علی خان کی سیکریٹری تھیں اور مسلم لیگ کی تحریک پاکستان کے زمانے میں بہت زیادہ مصروف رہتی تھیں تو خود قائداعظم نے ان کو مسلمان کرا کے ان کی لیاقت علی خان سے شادی کرائی تھی۔ بلکہ یہ بھی مفروضہ سنا تھا کہ رعنا لیاقت علی خان قائداعظم پر فریفتہ تھیں تو انہوں نے کیونکہ اب دوسری شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ انہوں نے اپنی بلا لیاقت علی خاں کے سر تھوپی تھی۔ بہرحال رعنا لیاقت علی خان مسلمان ہونے کے

بعد اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور نہ ہوسکی تھیں۔ دوسری طرف فاطمہ جناح اور قائداعظم شیعہ بوہری تھےلیکن قائداعظم نے اپنی آخری وصیت میں یہ لکھا تھا کہ ان کا مذہب وہ ہے جو مسلمان قوم کی اکثریت کا مذہب ہے اوران کی تدفین مسلمانوں کی اکثریت کے مذہب کے مطابق ہولیکن فاطمہ جناح آخری لمحات تک بوہری شیعہ فرقے سے متعلق رہی تھیں۔ رعنالیاقت علی خاں نے ابتدائی اسلامی تعلیمات کو جان کر اس کو سب کچھ سمجھ لیا تھا اور پھر اپوا (APWA) یا آل پاکستان انجمن خواتین کی اعلیٰ عہدہ دار بھی ایسی ہی خواتین مقرر ہوئیں جو اسلامی تعلیمات سے نابلد تھیں لیکن اس انجمن نے ناخواندہ خواتین کے لئے بڑا کام کیا۔ فاطمہ جناح اور رعنالیاقت علی خان کی نسوانی رقابت نے لیاقت علی خان کے امیج کو کافی مسخ کیا لیکن پھر بھی لیاقت علی خان سچے قائداعظم کے دست راست کی حیثیت سے ملک کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر گئے جو آج اتنی آفات و بلیات اور لوٹ کھسوٹ کے باوجود ملک چل رہا ہے یہ اللہ کے فضل اور کرم کا شاہکار ہے اور لیاقت علی خان کو علم ہو چکا تھا کہ ان کی جان خطرہ میں ہے اوران کے بعد قائداعظم کے نظریات کو بھلا دیا جائے گا اسی لئے انہوں نے سردار عبدالرب نشتر کو اپنا جانشین بنانے کا فیصلہ کیا تھا اوران کو پنجاب کی گورنری سے ہٹا کر مرکز میں نائب وزیراعظم کا عہدہ دے رہے تھے لیکن دشمن جانتے تھے کہ اگر سردار نشتر وزیراعظم بن گئے تو یہ قائداعظم کے نظریات کو پروان چڑھائیں گے اور لیاقت علی خان کو قتل کرنے سے فائدہ نہ ہوسکے گا لہٰذا

انہوں نے لیاقت علی خاں کو اپنے منصوبے پر عمل کرنے سے قبل ہی ٹھکانے لگا دیا اور پھر جو کھیل کھیلا گیا وہ قوم پر عیاں ہے اور قائداعظم جس قسم کا پاکستان چاہتے تھے وہ نہ رہ سکا۔ کیونکہ ان کے اصلی جانشین اور دوسرے لیفٹ ہینڈ سردار نشتر کو سین سے آؤٹ کردیا گیا جبکہ ہندوستان میں پنڈت نہرو کی حکومت ۱۷ سال میں گاندھی نظریہ کو قائم و دائم کرگئی جب پاکستان بنا تو ملک اس قدر لاچار تھا کہ پہلے ماہ کی تنخواہیں دینے کو حکومت کے پاس پیسے نہ تھے۔ حبیب بینک نے پہلی تنخواہ دی ایسی حالت میں ملک کو سنبھالنا ہر چیز کا انتظام کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ قائداعظم کے اچانک انتقال سے جو خلاء پیدا ہوا قوم خود کو بے سہارا سمجھنے لگی اس کی کشتی کی ناخدائی کرنا اس کو ایک نئے ولولے سے آگے بڑھنے کا حوصلہ دینا۔ ہندوستان کی طرف سے ہر وقت خطرہ کا مقابلہ کرنا اور برابری کی بنیاد پر بات کرنا۔ یہ سب آسان نہ تھا اور پھر قوم نے دیکھا کہ اسی ملک میں گلیوں میں کوچوں میں ٹھیلوں پر ایک روپیہ کا ۴ سیر آٹا بکا ہر چیز سستی تھی۔ ۸۰ لاکھ مہاجرین کی آبادکاری ان کی خوراک سب کا انتظام کرنا۔ اسی دوران ہندوستان نے حیدرآباد دکن پر حملہ کردیا۔ قوم چاہتی تھی کہ پاکستان بھی اس جنگ میں شریک ہو۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بہت بڑا جلوس اے ایم قریشی جو کراچی کے صدر مسلم لیگ تھے ان کی قیادت میں لیاقت علی خاں کی کوٹھی پر رات کو ۱۲ بجے پہنچا۔ میں بھی اس جلوس میں شریک تھا جلوس کا مطالبہ تھا کہ فوراً ہندوستان پر حملہ کردیا جائے تاکہ حیدرآباد دکن کو بچایا جائے۔ اس دور میں پولیس

کے پاس اتنی اچھی گاڑیاں یا سائرن بجا کر چلنے والی گاڑیاں نہیں تھیں صرف بڑے ٹرک پر بڑے بڑے ہارن لگے ہوئے تھے۔ جب جلوس کسی بھی حالت میں واپس جانے کو تیار نہ ہوا تو لیاقت علی خاں صرف بنیان یا ٹی شرٹ اور پتلون میں باہر آئے ایک ہاتھ میں قلم دوسرے ہاتھ میں سفید کاغذ تھا۔ انہوں نے آ کر کہا کہ جلوس کے سب لوگوں سے بات نہیں کرسکتا ایک کو لیڈر بنا کر بھیجو چنانچہ اے ایم قریشی نے جلوس کا مطالبہ دھرایا۔ لیاقت علی خان نے بہت تحمل سے سنا پھر سفید کاغذ پر لکھا لیاقت علی خان نے وہ پرچہ ایم اے قریشی کو دیا کہ اس جلوس میں جس قدر لوگ محاذ جنگ پر جانے کو تیار ہیں وہ دستخط کر دیں۔ میں سب سے پہلے ساتھ چلوں گا۔ اے۔ ایم قریشی نے پولیس کی گاڑی کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا کہ وزیراعظم پاکستان نے اس پرچہ پر دستخط کر دیئے ہیں وہ خود محاذ جنگ پر جانے کو تیار ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں جتنے لوگ آپ میں سے جنگ پر جانے کو تیار ہوں وہ ان کے نام کے نیچے نام اور پتہ لکھ دیں تا کہ حملہ کرنے کی تیاری کریں۔ یہ سن کر ایک شخص نے بھی اس پرچہ پر دستخط نہ کئے اور سب خاموش ہوگئے پھر لیاقت علی خان نے پولیس کے مائیک سے سب کو جھاڑا کہ کیا آپ ملک کو داؤ پر لگانا چاہتے ہیں ابھی ہماری فوج پوری نہ آ سکی ہے کیونکہ تقسیم ملک کے سلسلہ میں جو فوج پاکستان کے حصے میں آئی تھی اس میں کچھ جاپان، کچھ سنگاپور میں تھی وہ آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔ پھر قائد ملت نے انکشاف کیا کہ قائداعظم نے وصیت کی ہے کہ ہندوستان میرے مرنے کے

فوری بعد حیدر آباد دکن پر حملہ کر دے گا۔ اگر حیدر آباد ۳ روز جنگ لڑ لے تو تم مداخلت کرنا، حیدر آباد اپنے لمبے چوڑے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود ۳ دن میں ہار مان لے گا ابھی ۲ دن ہوئے ہیں آپ انتظار کریں اگر حیدر آباد کل شام تک لڑائی میں جنگ میں لڑتا رہا تو پرسوں ہم انشاء اللہ آپ کے کہے بغیر مداخلت کریں گے جلوس واپس آ گیا سب پر سکون ہو گئے۔ یہ تھی کمانڈ لیاقت علی خان کی، یہ تھی قوم کے مزاج کی شناسی اور نباضی، چنانچہ دوسرے روز خبر آئی کہ حیدر آباد جنگ ہار گیا اور ہندوستانی فوج داخل ہو گئی۔ ایک اور موقع پر لیاقت علی خان لاہور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے آئے سردار نشتر گورنر تھے۔ جب وہ اسٹیج پر آئے تو مجمع نے احتجاج کے طور پر کھڑے ہو کر بدکلامی شروع کی کچھ نے دھوتیاں اوپر اٹھا کر ناچنا شروع کیا۔ لیاقت علی خان خاموش کھڑے یہ سب تماشا دیکھتے رہے۔ سردار نشتر غضبناک ہو گئے جب پولیس نے مداخلت کرنی چاہی یا لاٹھی چارج کرنا چاہا تو فضاء میں قائد ملت کی آواز گونجی خبردار کوئی پولیس کا آدمی ان پر تشدد نہ کرے۔ میں ان کا منتخب وزیر اعظم ہوں ان کا احتجاج کرنا ان کا حق ہے اور اسے سننا میرا فرض۔ اتنا سننا تھا کہ تمام مجمع بیٹھ گیا اور پھر جب لیاقت علی خان تقریر کر چکے تو تمام مجمع لیاقت علی خان زندہ باد کے نعرے لگاتا ہوا واپس چلا گیا۔ ایک مرتبہ کراچی کے گرومندر اور پرانی نمائش چورنگی پر جہاں ہندوستان کا سفارت خانہ تھا ان لوگوں نے یوم پاکستان پر اپنے ترنگے جھنڈے کے ساتھ پاکستانی جھنڈا نہ لہرایا۔ قوم اس پر مشتعل ہو گئی اور

پولیس کی فائرنگ سے ایک شخص شہید ہوگیا۔ ہوسکتا تھا کہ مجمع بے قابو ہوکر ہندوستانی سفارتخانہ جلا دیتا یا فائرنگ سے مزید جانیں تلف ہوتیں کہ اچانک لیاقت علی خان اس جگہ بغیر پروٹوکول کے پہنچ گئے اور پولیس کی گاڑی پر کھڑے ہوکر مائیک پر تقریر کی اور کہا یہ بندہ شہید ہوگیا۔ کاش یہ گولی میرے سینے پر لگتی اور مجھے شہادت نصیب ہوتی۔ انہوں نے کچھ ایسے دلدوز انداز میں اور خلوص سے یہ دلی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ اللہ کے دربار میں مستجاب ہوگئی اور ۱۶؍اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ان کے سینے پر ہی گولی لگی اور وہ شہید ہوگئے۔ لیاقت علی خان بہت دلیر اور درویش منش انسان تھے۔ ان کے شہید ہونے کے بعد ان کے بینک میں صرف ۱۲ سو یا ۲۸ سو روپے نکلے جو قرض ادا کرکے دو بیویوں میں تقسیم ہوا۔ یہ ہندوستان مین بہت بڑی جاگیر کے مالک تھے۔ نواب زادہ تھے لیکن پاکستان میں وہ صرف حکومت سے ملنے والی تنخواہ پر گزارا کرتے تھے۔ نہ کوئی ان کا مکان تھا نہ بچوں کے لئے کوئی انتظام۔ آخر حکومت پاکستان نے ان کے بچوں کو اپنے خرچ پر پڑھوایا۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان نے سفارت کی ملازمت سے اپنا گزارا کیا۔

لیاقت علی خان کی زندگی میں ان کا بڑا بیٹا (پہلی بیوی سے) ولایت علی خان کراچی آیا اور چاہتا تھا کہ اس کے والد جو وزیراعظم پاکستان تھے اس کو کوئی فلور مل الاٹ کرادیں تاکہ اس کو چلا کر گزارا کرسکے۔ تو لیاقت علی خان نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ میری زندگی میں میرے ہاتھوں اقرباء پروری کا کوئی کام نہ ہوگا، اور

اس کو واپس کر دیا۔ شاید سردار عبدالرب نشتر جو گورنر پنجاب تھے انہوں نے ولایت علی خان کے گھریلو حالات سے متاثر ہو کر لاہور میں ایک ہندوؤں کی متروکہ فلور مل اور رہائشی بندوبست کیا۔ لیاقت علی خان اکثر اپنی تقاریر میں کہتے تھے کہ ہندوستان کے سامنے سر نہ جھکانا ورنہ پاکستان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ کہتے تھے کہ ہندوؤں کو میں جانتا ہوں یہ مکار اور فریبی ہوتے ہیں۔ لیاقت علی خان کے زمانے میں جنرل ایوب خان جو بعد میں فیلڈ مارشل ہوگئے تھے۔ مشرقی پاکستان کے جی او سی تھے اور لیاقت علی خان خود وزیر دفاع بھی تھے۔ ایوب خان کو ہندوستان نے آفر دی کہ اگر تم مشرقی پاکستان میں ہماری فوج کی دخل اندازی کو نہ روکو اور مشرقی پاکستان ہمارے حوالے کر دو تو اتنا سونا اور نقد روپیہ دینگے۔ ترغیب بہت اچھی تھی یہ وہ زمانہ تھا جب پورے پاکستان کی معیشت کا دارومدار مشرقی پاکستان کی پٹ سن یا جوٹ پر تھا اور دنیا کی اسّی فیصد جوٹ وہاں پیدا ہوتی تھی۔ اس طرح ہندوستان نے یہ چال چلی کہ اگر مشرقی پاکستان ہمارے پاس آ گیا تو پاکستان ختم ہوجائیگا ان کی معیشت ختم ہوجائیگی، دوسری طرف ہماری معیشت مزید مستحکم ہوجائیگی، یعنی ایک تیر سے دو شکار کر رہے تھے۔ ایوب خان نے اپنے محبّ وطن ہونے کا ثبوت دیا اور وزیراعظم کو اس آفر سے مطلع کیا۔ لیاقت علی خان نے ایوب خان سے کہا کہ یہ تمہاری آزمائش ہے اور تم ملک کیلئے جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ لیکن ملک کا دفاع تمہاری ذمہ داری ہے۔ ایوب خان نے بظاہر ہندوستان کی آفر قبول کر کے ان سے سونا اور رقوم وصول

کرلیں۔ پھر ہندوستانی فوج کو اندر آنے دیا اور اپنی فوج کو گھیرا ڈالنے کے انداز میں پیچھے ہٹایا، جب تیس ہزار فوج گھیرے میں آ گئی تو فائر کھول دیا اس طرح ہندوستان کے کافی سپاہی مارے گئے گرفتار ہوئے اور کئی جنرل گرفتار کر کے لائل پور اب فیصل آباد جیل میں لا کر رکھے گئے۔اس واقع کی ہندوستان تشہیر نہ کرسکا کیونکہ اس طرح اس کی بدنامی بھی تھی اور ذلت بھی۔ چنانچہ پاکستانی افواج کا سربراہ سرگریس انگریز تھا اور اس نے قائداعظم کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا اس کو ہٹا کر لیاقت علی خان نے ایوب خان کو پاکستان کا کمانڈرانچیف بنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایوب خان نے پاکستانی فوج کو بنایا۔ وہ خود سینڈرس انگلستان سے گریجویٹ تھے اس لئے انہوں نے برٹش اسٹائل سے پاکستانی فوج کو منظم کیا۔

لیاقت علی خان کے خلاف پہلے بھی ایک سازش ہوچکی تھی جو راولپنڈی سازش کیس سے معروف بھی ہے۔جس میں جنرل اکبر خان وغیرہ بغاوت کررہے تھے۔ چنانچہ یہ سازش ختم نہ ہوئی اور اس میں مغرب کے پروردہ انگریز کے پٹھو جو کہ حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے شریک تھے۔لیاقت علی خان اہلکاروں کے مشورے کے باوجود بلٹ پروف جیکٹ نہیں پہنتے تھے وہ کہتے تھے کہ موت ایک دن آنی ہے وہ ہر طرح اور ہر حفاظت کے باوجود آ ئیگی۔ سازشیوں نے لیاقت علی خان کو اس طرح شہید کیا اور پلان بنایا کہ جس بندے نے ان کو گولی ماری فوراً ہی اسٹیج کے نیچے سے کسی نے اس بندے کو گولی ماردی۔ تاکہ سازش عیاں نہ ہوجائے اور لیاقت علی

خان کا کافی دیر خون بہنے دیا کوئی میڈیکل ایڈ نہ آئی بلکہ جب سمجھ لیا کہ اب یہ ختم ہونے والے ہیں تو ان کو ہسپتال پہنچایا گیا جہاں وہ شہید ہو گئے۔ لیاقت علی خان نے گولی لگنے کے بعد نواب صدیق علی خان جو ان کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے ان سے کہا نواب صاحب میرے دل پر گولی لگی ہے پھر کلمہ پڑھا اور یہ آخری الفاظ کہے تھے کہ ''خدا پاکستان کی حفاظت کرے۔'' نہ بیوی بچوں کا خیال نہ اپنا۔ بلکہ ملک کو یہ جانتے ہوئے کہ سازشی کیا کچھ کھیل کھیلیں گے اللہ کے سپرد کیا اور یہی ایک سچے مسلمان کی نشانی ہے۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد لوگوں کو یہ پختہ خیال تھا کہ سردار عبدالرب نشتر وزیر اعظم بنیں گے لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بن گئے۔ خواجہ صاحب بہت سادہ انسان تھے ان کو کس طرح پٹایا اور ان کو گورنر جنرلی سے ہٹا کر وزیر اعظم بنا دیا گیا اور ایک اپاہج فالج زدہ غلام محمد جو کہ لیاقت علی خان کی کابینہ میں وزیر خزانہ تھا اور اس کی غلط کاریوں کی وجہ سے لیاقت علی خان اس کو ہٹانا چاہتے تھے یہ سازش کے ذریعے گورنر جنرل بن گیا۔ اس نے جو بعد میں ملک وقوم کا ستیاناس کیا وہ ایک تاریخ ہے۔ اس نے بعد میں وزیر اعظم کو برطرف کر کے امریکہ میں پاکستانی سفیر کو بلا کر وزیر اعظم بنایا۔ پھر سب سے بری بات یہ کی بلکہ جمہوریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی کہ اسمبلی برخواست کر دی اور اس وقت کے چیف جسٹس محمد منیر نے پہلی بار نظریہ ضرورت کا

بدنام زمانہ لفظ استعمال کر کے غلام محمد کی پشت پناہی کی اور پھر اس کے بعد جمہوریت کی گاڑی آج تک آگے نہ بڑھ سکی اور نظریہ ضرورت برابر چل رہا ہے۔ غلام محمد نے ڈکیٹیٹر شاہی چلا کر سب کو مفلوج کر دیا۔ ایک مرتبہ سردار عبدالرب نشتر کو بلا کر مغلظ زادگالیاں دیں اور پاکستانی قوم کو بھیڑ بکریاں اور نشتر صاحب کو ان کا چرواہا کہا۔ نشتر صاحب کہتے تھے کہ اس نے مجھے جو کچھ کہا وہ مجھے برداشت تھا لیکن اس نے پاکستانی قوم کو جو کچھ کہا وہ میں برداشت نہ کر سکا اور اس سے یہ کہہ کر آ گیا کہ ایک دن تو ضرور ذلیل وخوار ہوگا اور واقعی یہ تاریخ میں ذلیل وخوار ہے۔ غلام محمد سے قبل پاکستانی سکہ پر صرف چاند تارہ تھا لیکن اس نے اپنا فوٹو چھپوانے کیلئے پہلے قائداعظم کا فوٹو چھاپا اور اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ وہ اس کے بعد ذلیل ہو کر پاگل ہو کر عہدے سے برطرف کیا گیا۔

میجر جنرل اسکندر مرزا پہلے گورنر جنرل بنا پھر آئین بننے کے بعد پہلا صدر بنا لیکن اسکندر مرزا نے بھی غلام محمد والا کھیل جاری رکھا۔ اس نے مسلم لیگ کو توڑ کر ایک پارٹی ریپبلکن پارٹی بنوائی اور پھر اس کی پشت پناہی کی۔ قائداعظم کا فرمان تھا کہ جب تک مسلم لیگ مضبوط رہے گی پاکستان محفوظ رہے گا چنانچہ اسکندر مرزا نے مسلم لیگ کے ٹکڑے کرائے۔ جو آگے چل کر ملک کو دولخت کرنے کا ذریعہ بنا۔ اس کے زمانے میں ہر ڈیڑھ سال بعد ایک نیا وزیراعظم بنتا تھا اور آخر فیروز خان نون کے زمانے میں اس نے ایوب خان کو دعوت دے کر ملک میں مارشل لاء لگوایا جس

کے نتیجے میں خود بھی ذلیل ہوا اور در بدر کی ٹھوکریں کھا کر ایران میں مدفون ہوا۔اس نے مارشل لاء اس لئے لگوایا کہ سردار نشتر انتقال کر گئے تھے۔تو خان عبدالقیوم خان صدر پاکستان مسلم لیگ ہو کر الیکشن کی مہم چلا رہے تھے اور قوم پھر ایک بار مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو رہی تھی اور یہ امر یقینی تھا کہ اگر الیکشن ہو جاتے تو دوبارہ مسلم لیگ پاور میں آجاتی اور ان بے لگاموں اور بدخواہوں کا جنازہ نکل جاتا ورنہ ملک میں ایسے برے حالات نہ تھے کہ سول انتظامیہ فیل ہوئی ہوتی۔سب کام صحیح چل رہا تھا لیکن اپنے باطل مقاصد کے تحت ملک کا پہلا مارشل لاء لگوایا گیا اور اس طرح یہ ملک فوجی کینٹ بن گیا۔بالترتیب ملک کی ساٹھ سالہ تاریخ میں کل 22 سال سول حکومتیں رہیں ورنہ 38 سال فوج ملک پر حکمران رہی۔

یہ سب واقعات ایسے ہیں کہ ایک فلم چل رہی ہے دماغ میں اور ایک ایک کر کے نگاہ میں گھوم رہے ہیں چنانچہ میں رو میں بہہ گیا تو میں بتا رہا تھا کہ لاہور میں ہمارا قیام پانی والے تالاب پر محلّہ سیٹھاں میں ہوا اور وہاں سے شاہی قلعہ کافی نزدیک تھا بادشاہی مسجد قریب تھی۔میرے شہید چچا سیّد سلطان اشرف کی بیوہ اور بچے گوال منڈی میں تھانے کے قریب گلی میں اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں مقیم تھے جہاں چچا مرحوم انہیں چھوڑ گئے تھے۔اس وقت ہماری حالت یہ تھی کہ صرف ۲ کمبل تھے اور دو کمبلوں میں پوری فیملی رات بھر لپیٹ کر جاگ کر گزارا کرتی تھی سخت سردی تھی اور چوتھی منزل پر ہمارا قیام تھا یہی جگہ مل سکی تھی۔اس وقت دریائے راوی قلعہ

کے پیچھے بہتا تھا۔ لاہور میں ہم لوگ ایک ماہ رہے جو ۱۰۰۰،۱۰۰ روپے کے نوٹ کی تعویذ بنا کر گلے میں ڈال کر پاکستان آئے تھے وہ کیش کرا کے گزارا کر رہے تھے آخر ایک روز ریل کا ٹکٹ مل گیا۔ اس دور میں ریل کا کرایہ تھرڈ کلاس کا لاہور سے کراچی کا ۱۱ روپے اور فرسٹ کلاس کا شاید ۲۰ روپے کا تھا۔ ۱۲ سال کے نیچے کا کوئی کرایہ نہ تھا۔ میں ۹ سال کا تھا دیگر چچا کے بچے بھی تقریباً ۱۲ سال سے کم تھے ہم سب بوگی والوں کا ملا کر کرایہ ۳۶ روپے بنا تھا اور یہ ریل ۳ دن، ۳ رات میں کراچی پہنچی تھی کیونکہ ریل کے اوپر بھی مہاجرین بغیر ٹکٹ کے سوار تھے اس لئے ریل تیز نہ چل سکتی تھی۔ ہم لوگ کراچی بے سروسامانی کے عالم میں پہنچے، لیکن کراچی کینٹ اسٹیشن پر وہ سامان جو والدہ نے آیت الکرسی پڑھ کر بند کر کے روانہ کیا تھا وہ وہاں ایک پلیٹ فارم پر پڑا تھا اور سب کھلا ہوا تھا لیکن الحمدللہ آیت الکرسی کی برکت سے سب سامان محفوظ رہ گیا تھا۔ ہم ملٹری ہسپتال کی بیریکس میں ٹھہرے جسے خالی کر کے سرکاری اسٹاف کو ٹھہرانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ قرب و جوار میں خیموں میں ایسے ایسے لوگ رہتے تھے جو ہندوستان میں بہت بڑی حیثیت کے مالک تھے لیکن سب صبر و شکر سے اپنے نئے ملک میں نئے ماحول میں نیا معاشرہ تشکیل دینے میں مصروف تھے۔

میرا مقصد صرف وہ حالات و کوائف لکھنا تھا جو پاکستان بنانے کے محرک تھے اور یہ ملک کن حالات میں قائم ہوا اور اس ملک کو بنانے میں کتنی عظیم قربانیاں دی

گئیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان کے پانچ صوبوں بشمول مشرقی پاکستان سب سے زیادہ قربانیاں ان لوگوں نے دیں جو ہندو اکثریتی علاقوں میں رہتے تھے یا صوبہ پنجاب اور صوبہ بنگال کے لوگوں نے قربانیاں دی تھیں کیونکہ یہ دونوں صوبے بھی تقسیم ہوئے تھے اور تقسیم کی وجہ سے بہت کٹا چھنی ہوئی لیکن جہاں تک جان و مال کی قربانی کا تعلق ہے وہ صوبہ سندھ، بلوچستان اور سرحد کے عوام نے نہیں دی البتہ الحمداللہ پاکستان کی برکات سے بہرور ہوئے اور ہور ہے ہیں اسی لئے ان کو قربانی دینے کا اندازہ نہیں ہے کہ قربانی کیا چیز ہے اور یہ ملک کتنی قربانیوں سے بنا ہے۔ اسلئے ان صوبوں کے اکثر لوگ بعض مرتبہ پاکستان کے خلاف باتیں کرتے ہیں، قائدین پاکستان، بانیان پاکستان کے خلاف غم وغصہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں نیک ہدایت دے۔

میری یادیں

بابت

علمی وروحانی

شخصیات

میرے سرکار......سرکارکلاںؒ

کچھوچھا شریف میں علماء و مشائخ کا جم غفیر تھا، عالم ربانی، خطیب بے بدل حضرت سیّد احمد اشرف الاشرفی الجیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس چہلم کی تقریب تھی۔ مجدد اعظم سلسلہ عالیہ اشرفیہ اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ ہم شبیہ غوث الثقلین سیّد شاہ محمد علی حسین الاشرفی الجیلانی سجادہ نشین سرکارکلاں آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھا شریف اس جلسہ کی صدارت فرمارہے تھے، اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کو یہ صدمۂ عظیم ان کی زندگی کے ۸۲ ویں سال میں اٹھانا پڑا تھا۔ مگر کیا استقامت، کیا صبر، کیا استقلال اس اللہ کے ولی میں تھا جبکہ علمائے کرام کی دلدوز تقاریر، تلاوت قرآن پاک وتسبیحات ہوتی دیکھ رہے تھے سن رہے تھے اور صبر واستقامت کے ساتھ محفل میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک بچہ فرشتہ صفت معصوم صورت لمبا کرتا پہنے صدری زیب تن کئے سر پر چھوٹا سا اور منا سا خاندانی تاج اشرفی اوڑھے اپنے چچا سید محمد مصطفیٰ اشرف اشرفی جیلانی کی انگلی پکڑے خراماخراما چلتے ہوئے محفل میں تشریف لائے یہ بچہ جس

کی صرف ۱۲ سال عمر تھی اس کے بھولے بھالے چہرے سے متانت ٹپک رہی تھی جب یہ ننھا منا شہزادہ اپنے دادا اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کی طرف بڑھ رہا تھا تو محفل میں ایک کہرام مچ گیا ہر طرف آہ بکا کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

دادا جو صبر استقامت کا کوہ گراں تھے ان کی بھی آنکھیں اشکبار ہوگئیں ہاتھ پھیلا کر پوتے کو گلے لگایا کمر پر تھپکی دی اور پھر اپنے پہلو میں بٹھالیا جب محفل اختتام کو پہنچی صلوٰۃ وسلام ودعائے مغفرت وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد تمام حاضرین اپنے اپنے مقام پر تشریف فرما ہوگئے کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے اعلان فرمایا کہ میرا یہ فرزند (پوتا جس نے صرف ۱۲ سال کی بہاریں اپنے شہید باپ کے سائے میں گزاری تھیں) سید محمد مختار اشرف عرف محمد میاں میرا جانشین اور حضرت مخدوم پاک کا سجادہ نشین ہوگا۔ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے اس اعلان سے حاضرین محفل خاص کر علمائے کرام مشائخ عظام میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ کہ اعلیٰ حضرت اب عمر کے آخری حصے میں ہیں اور اتنے کم سن بچے کو اپنا جانشین اور مخدوم پاک کا سجادہ نشین بنارہے ہیں جب کہ نہ معلوم اعلی حضرت کے لئے فرشتہ اجل کب پیغام اجل لے کر آجائے۔

اتنی ذمہ داری کو یہ بچہ کیسے سنبھالے گا اعلیٰ حضرت نے اپنی چشم بصیرت اور روحانی چشم سے حاضرین کے قلوب میں اٹھنے والے وسوسوں اور سوالات کو دیکھ لیا' پڑھ لیا۔ اعلیٰ حضرت نے چند لمحات مراقبہ کیا پھر فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے

دلوں میں وسوسے اٹھ رہے ہیں کہ یہ فقیر اب عمر کے اس حصے میں ہے جو کہ چل چلاؤ کی عمر کہلاتی ہے فقیر اپنی بیاسی سالہ عمر میں جب کہ فرشتہ اجل کی آمد ہر وقت متوقع ہے اپنے پوتے جس کی عمر ابھی صرف ۱۲ سال ہے اس کو اتنی اہم ذمہ داری سونپ رہا ہوں یہ بچہ اتنی اہم ذمہ داری کو کیسے سنبھالے گا نبھائے گا تو، سنو! فقیر ابھی اور دس سال زندہ رہے گا اور دس سال تک اپنے اس جانشین کی تربیت کریگا۔ سبحان اللہ کیا روشن ضمیری تھی میرے اعلیٰ حضرت کی۔ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے اس اعلان نے جہاں تمام حاضرین کے دلوں میں اٹھنے والے وسوسوں کو یکسر ختم کر دیا وہاں دشمنوں کے باطل ارادوں کا جنازہ نکال دیا کیوں کہ اس بات کو اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کے دشمن اور بدترین مخالف بھی جانتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سچائی پر مبنی ہوتے ہیں اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں ایک کامل ولی ہیں۔ کتنا خوش قسمت تھا وہ ۱۲ سال کا شہزادہ جو کم سنی میں یتیم ہو گیا تھا لیکن اس کو اپنے وقت کے ولی کامل کی پشت پناہی حاصل ہو گئی تھی۔

دنیا نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے اپنے پوتے کی کیسی تربیت فرمائی کیسا روحانی فیض اپنے اس جانشین کو پہنچایا کہ وہ اپنی آخری عمر میں سب کا سر کار کلاں بن گیا اور پھر اس کا سرکار کلاں کا لقب اسقدر مشہور و معروف ہوا کہ دنیا اس کے اصل نام کی بجائے سرکار کلاں کے لقب سے یاد کیا کرتی ہے۔ یہاں یہ امر قابل تحریر ہے کہ واقعی اعلیٰ حضرت اشرفی میاںؒ اپنے پوتے کی جانشینی کے اعلان کے بعد

پورے دس سال اس عالم فانی میں تشریف فرمار ہے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا محمد میاں مادرزات ولی ہے۔ حقیقت میں سرکارکلاں کے ہم عمر ساتھیوں کے ساتھ کچھو چھا شریف میں حضرت سرکارکلاں کی زندگی اس قدر صالح اور پاکیزہ رہی تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔

1946ء میں بنارس سنی کانفرنس کے انعقاد کے بعد ایک روز صبح 10 بجے میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ سیاہ داڑھی چہرہ پر فقیری رعب چکن کا لمبا کرتا پہنے قیمتی کپڑے کی صدری سلیم شاہی جوتی پہنے ہمارے گھر تشریف لائے ان کے ساتھ ۱۵ خدمت گار یا مریدان تھے باہر کی بیٹھک میں تشریف فرما ہوئے قبلہ والد صاحب نے ناشتہ کا پرتکلف اہتمام کیا تھا بعد ناشتہ حضرت اندر تشریف لائے والدہ اور دادی اماں سے ملاقات کی یہ پہلی مرتبہ میں نے حضرت سرکارکلاں کی زیارت کی تھی اس کے بعد تقسیم ملک کا واقعہ درپیش ہوا اور ہمارا خاندان ہندوستان سے نامساعد حالات میں ہجرت کر کے کراچی پاکستان آ کر مقیم ہوا ہم لوگ 3 سال مہاجر کیمپ میں رہے پھر والد صاحب نے فردوس کالونی میں ایک مکان تعمیر کرایا وہاں ہم سب منتقل ہوگئے۔ میں اپنی دینی تعلیم جو دھلی میں ادھوری چھوڑ آیا تھا وہ مکمل کرنے کے لئے والد صاحب کے ایک مرید سیٹھ عبدالمجید تنگلگیر نے ایک مدرسہ بنام مخزن عربیہ بحر العلوم قائم کیا تھا جس کی صدارت حضرت مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی فرمار ہے تھے۔

اس مدرسے میں داخل ہوگیا تھا اور مفتی صاحب ہی سے براہ راست اسباق

پڑھ رہا تھا کہ ایک روز حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ کل کچھوچھا شریف کے سجادہ نشین حضرت سید محمد مختار اشرف تشریف لارہے ہیں۔ میں یہ سن کر بہت خوش ہوا کیونکہ مجھے بچپن سے ہی اپنے خاندان اور خاندانی بزرگوں سے محبت تھی خصوصاً مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ سے والہانہ محبت وعقیدت تھی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ والد صاحب سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت تھے اس لئے وہ ہر سال کلیر شریف عرس میں شرکت کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ البتہ جب بھی خاندانی بزرگ دہلی تشریف لاتے تو والد صاحب ان بزرگوں کی پر تکلف دعوت کیا کرتے تھے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے پوچھا کہ کیا میں بھی حضرت کی زیارت کر سکتا ہوں فرمانے لگے آپ ان کی زیارت کیوں نہیں کر سکتے وہ آپ کے خاندان کے سربراہ ہیں مرکزی سجادہ نشین ہیں۔ گھر آ کر والدہ کو بتایا تو فرمانے لگیں ہم بھی حضرت کی دعوت کریں گے۔ پھر فرمایا میں ان کے دادا حضور اشرفی میاںؒ سے بیعت ہوں۔ ان دنوں والد صاحب قبلہ ہندوستان اپنے مریدوں سے ملنے تشریف لے گئے تھے۔ ایک روز والدہ کے کہنے پر ہمارے بڑے بھائی سید مخدوم اشرف مرحوم مجھے ساتھ لے کر اشرفی منزل مٹھادر حضرت سے ملاقات کو تشریف لے گئے۔ وہاں ہمارے استاد مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت نے محبت سے سر پر ہاتھ پھیرا بھائی نے دست بوسی کی۔

حضرت مفتی صاحب نے میرا تعارف کرایا کہ ہمارے مدرسہ کے طالب علم

ہیں ۔ حضرت کو دعوت دی گئی جو حضرت نے مسکرا کر قبول فرمائی اور حاجی ابراہیم اشرفی جو حضرت کے پروگرام کے محرر تھے ان کو حکم فرمایا انہوں نے دن تاریخ نوٹ کرلیں ۔ اس وقت حضرت کی داڑھی میں کافی بال کالے تھے اور مزاج میں بھی ظرافت تھی لیکن فقیری جلال نمایاں تھا۔ مقررہ تاریخ پر حضرت ہمارے گھر تشریف لائے کھانا تناول فرمایا کافی دیر ہمارے گھر تشریف فرما رہے اور دہلی میں ہمارے متروکہ مکان سامان کا ذکر فرما کر ملول ہوئے پھر خوشی کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کراچی میں پھر سے آباد کر دیا۔ ہمارا مکان پسند فرمایا میں حضرت کے قریب ہی رہا ۔ جب حضرت کو یہ معلوم ہوا کہ میں بہت اچھی قرأت کرتا ہوں نعتیں اچھی پڑھتا ہوں تو حضرت نے میری قرأت اور نعت سنی اور بہت پسند بھی فرمایا۔ پھر فرمایا جب تک کراچی میں ہیں آپ روزانہ آیا کریں۔

جب تک حضرت کراچی میں قیام پذیر رہے میں حضرت کی خدمت میں روز حاضری دیتا تھا۔ مدرسہ سے سیدھا حضرت کی خدمت میں پہنچ جاتا تھا۔ کئی مرتبہ حضرت مجھے اپنے ساتھ دعوت میں بھی لے گئے جب میں نے مدرسہ سے فراغت حاصل کی اتفاق سے حضرت ان دنوں کراچی میں تشریف فرما تھے ۔ چنانچہ انہوں نے میری دستار بندی بھی فرمائی ۔ میں حضرت سے مراسلت کرتا رہتا تھا۔ پھر والدہ کے حکم پر میں نے انگریزی اسکول میں داخلہ لیا اور دنیاوی علوم حاصل کرنے لگا تب بھی میں حضرت سے کانٹیک میں رہتا تھا۔ جب میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم کے لئے

انگلستان گیا وہاں سے بھی میں حضرت سے برابر خط وکتابت کرتا تھا۔ مجھے حضرت سے عشق ہوگیا تھا۔ جب میں حضرت کا تصور کرتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل میں سکون اور روشنی پیدا ہو رہی ہے۔ ہر مشکل وقت میں حضرت میرے خواب میں تشریف لاتے اور صبح میرا کام آسان ہو جاتا تھا۔

درحقیقت خاندان اشرفیہ کی شاخ جو شہنشاہ شاہ جہاں کے زمانے میں دہلی منتقل ہوئی تھی اس شاخ کا تعلق کچھوچھا شریف سے فرنگی غاصبانہ قصبہ سے قبل تک رہا پھر جنگ آزادی یا غدر دہلی جو 1857ء میں وقوع پذیر ہوا اس موقع پر تمام دہلی اجڑ گئی سب لوگ دہلی کے گرد و نواح میں پناہ گزیں ہوئے اس طرح تمام خاندانی تبرکات تلف ہوگئے اور جب دہلی دوبارہ آباد ہوئی تو مقامات قیام تبدیل ہوگئے۔ اس طرح جو شہدا کے ورثاء تھے ان کو اپنے مرکز عقیدت کا پتہ نہ رہا اس طرح دو سو سال یہ شاخ کچھوچھا شریف سے کٹی رہی اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے اپنے کشف سے اس شاخ کا کھوج لگا کر پھر تعلق قائم کیا تھا لیکن صرف خاندان کی حد تک سلسلہ رہا کوئی رشتہ داری قائم نہ ہوئی۔ اسی دوران ہمارے بزرگ سلسلہ اشرفیہ کے علاوہ سلاسل میں بیعت ہوگئے تھے۔ والد صاحب قبلہ نے بھائی مخدوم اشرفؒ، سید احمد اشرفؒ، بڑی ہمشیرہؒ کو سلسلہ صابریہ میں بیعت کیا تھا۔ لیکن مجھے فرمایا تھا کہ تمہارا حصہ کچھوچھا شریف میں سلسلہ اشرفیہ سے وابستہ ہے۔ چنانچہ میں والد صاحب کے وصال کے بعد حضرت سید محی الدین اشرف عرف اچھے میاںؒ سے

بیعت ہوا۔

میں لندن میں تھا ایک روز مجھے خط آیا کہ حضرت سرکارکلاں اور والد صاحب نے میرا رشتہ طے کردیا ہے اور حضرت کی حقیقی بھانجی حضرت سید کمیل اشرف صاحب کی بہن کی بیٹی سے میری نسبت طے کی گئی ہے اور بعد میں میرا نکاح حضرت اچھے میاں صاحب نے پڑھایا اور 2 سال بعد رخصتی حضرت سرکارکلاں نے کرائی اس طرح خاندان اشرفیہ کی شاخ دہلی کو اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے کشف سے دریافت فرما کر سلسلہ جنبانی و مراسلت کیا تو حضرت سرکارکلاںؒ نے میری نسبت اپنی نواسی سے طے فرما کر یہ دوسوسالہ دوری کو دور فرمایا۔ جب میں کچھوچھا شریف پہلی مرتبہ حاضر ہوا اس وقت بھی ڈاکٹری لباس اور حلیئے میں تھا۔

حضرت نے مجھے آستانہ عالیہ پر چالیس روز کا چلہ کرایا آیت الکرسی پھر آیت کریمہ کے چلے کرائے۔ اسی دوران حضرت مخدوم پاک کی زیارت نصیب ہوئی اور مخدوم پاک نے دعائے سیفی شریف کی اجازت عطا فرمائی میں نے خواب میں جو کچھ دیکھا تھا صبح حضرت سے عرض کرنے خانقاہ حسنیہ سے کچھوچھا شریف حاضر ہوا تو حضرت نے میری شکل دیکھتے ہی فرمایا کیا کوئی خواب دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا جی حضور پھر تمام خواب بیان کیا تو حضرت نے اعلیٰ حضرت کی بیاض خاص حضرت اظہار میاں سے منگا کر نقل کرنے کو دی بعد نقل حضرت نے اس نقل پر اپنی مہر خاص لگا کر تصدیق فرمائی اور بہت ہی کریمانہ انداز میں چاروں سلاسل کی اجازت و

خلافت عطا فرمائی۔ میں اس وقت پتلون شرٹ پہنا ہوا تھا۔ میں کچھوچھا شریف میں قیام کے دوران صبح شام اپنی ڈسپنسری چلاتا تھا۔ اور مریضوں کو دوا وغیرہ دیتا تھا۔

یہ حضرت کا حکم تھا کہ یہاں لوگوں کو فائدہ پہنچاؤں حضرت کا فیض بے کراں تھا الحمد اللہ ہر مریض شفایاب ہوتا تھا۔ ایک روز میں خانقاہ سے حضرت کے گھر آیا تو حضرت نے اپنے باہر والے کمرے میں بلایا اور ایک پرچہ دکھایا اس پر ہیڈنگ لکھی تھی مثال خلافت اشرفیہ حضرت نے اپنے دست مبارک سے تمام خلافت نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں سلسلہ منوریہ معمریہ کی بھی خلافت عطا فرمائی تھی۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے جب تاج میرے سر پر رکھا تو دل کی دنیا بدل گئی دنیا سے دل ہٹ گیا عاقبت کا خوف طاری ہوا۔

میرے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی اور شاید ایک لمحہ میں حضرت نے مجھے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں بہت لوگ شاید سالہا سال کی محنت میں نہ پہنچ سکے۔ چنانچہ اب مجھے حضرت کے بغیر چین نہ آتا تھا۔ رات کو حضرت 2-2 بجے تک رموز ومعرفت کے دریا بہاتے تھے۔ دل کی ظلمت کو دور فرماتے اسی دوران اپنی زندگی کے اہم واقعات سے بھی آگاہ فرماتے ایک روز میں نے حضرت سے عرض کی حضور آپ نے کس وقت اور کس طرح چلے کئے تو حضرت نے ایک واقعہ سنایا کہ جب دادا میاں اپنے گھر کچھوچھا شریف سے آخری مرتبہ رخصت ہوکر خانقاہ تشریف فرما ہوئے تو پھر دوبارہ گھر واپس تشریف نہ لے گئے بلکہ خانقاہ میں ہی قیام فرمایا حضرت مخدوم پاک

کے عرس کے بعد اعلیٰ حضرت علیل ہو گئے اور علالت بڑھتی ہی گئی۔

ایک روز حکم فرمایا محمد میاں تم نماز کی امامت کرو چنانچہ میں نے امامت کروانی شروع کی تقریباً ۷۱ نمازیں میں نے دادا میاں کی زندگی میں پڑھائیں۔ ایک روز دادا میاں نے اپنے گلے کی تسبیح اتار کر میرے گلے میں ڈال دی پھر فرمایا آج تم ہم سے مانگ لو فرمانے لگے میں نے پوچھا دادا میاں کیا آپ وہ کچھ ہم کو دیں گے جو ہم مانگیں گے؟ اعلیٰ حضرت نے چند لمحات آنکھیں بند کیں پھر کھول کر فرمایا ہاں جو مانگو ہم دیں گے۔ میں نے کہا کہ میں آپ کو مانگتا ہوں تو دادا میاں نے فرمایا میں نے خود کو تمہیں دیا۔ اب تم اور میں الگ الگ نہیں۔ حضرت فرمانے لگے اس کے بعد سے حضرت دادا میاں میرے پاس ہیں میرے ساتھ ہیں۔ اب میں جو کچھ دم کرتا ہوں۔ بظاہر میں دم کرتا ہوں بہ باطن دادا میاں دم کرتے ہیں۔ حضرت نے ایک واقعہ کا ذکر فرمایا فرمانے لگے جب میں دہلی میں فسادات کے دوران دہلی سے لاہور روانہ ہوا تو راستے میں تمام گاڑی کے ڈبوں کے افراد کو قتل کر دیا گیا لیکن میرے ڈبے کے دونوں طرف دو سفید گھوڑوں پر سوار اشخاص ننگی تلواریں لے کر برابر میری نگرانی کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ کراچی میں امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی کانفرنس میں بڑے بڑے جید علمائے کرام مشائخ عظام جج حضرات سب ہی تھے لیکن حضرت وہاں جب تشریف لے گئے تو تمام کانفرنس ہال کے لوگ کھڑے ہو گئے ججوں نے اسٹیج سے نیچے آ کر حضرت کے ہاتھ چومے ایک عالم دین بولے

کہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ابھی آسمان سے کوئی فرشتہ تشریف لایا ہے۔ میں ایک واقعہ لکھ کر مضمون ختم کرتا ہوں وہ اس طرح ہے کہ کچھوچھا شریف اور بسکھاری کے چند افراد نے حضرت کو قتل کرنے کا پروگرام مرتب کیا۔ حضرت اپنے طویل سفر سے گھر واپس آ رہے تھے۔ ظاہر ہے ٹرین اکبر پور پر رکتی ہے اس پارٹی نے انتظام کیا کہ حضرت جب اکبر پور سے بذریعہ کار گھر روانہ ہوں تو ایک خاص مقام مقرر کیا گیا کہ یہاں حضرت کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ اس طرح کرایا جائے کہ حضرت زخمی ہو کر بچ نہ سکیں۔ چنانچہ پروگرام طے ہو گیا ہر کارکن اپنے اپنے کام پر متعین ہو گیا حضرت کی آمد سے ایک روز قبل گروہ کا سرغنہ اپنے پلان کا معائنہ کرنے اپنے کارندوں کے کام دیکھنے نکلا اور وہ اکبر پور سے بسکھاری آ رہا تھا اور تمام کارکن اس کو مستعد نظر آئے۔ چنانچہ یہ اطمینان سے تیز رفتاری کے ساتھ اپنی جیپ بسکھاری کی طرف بھگا رہا تھا اس کے ساتھ دوسرے خاص بندے بیٹھے تھے کہ اسی مقام پر جہاں اس نے حضرت کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ کرانا تھا اس مقام پر پہنچ کر اس کی جیپ کی ٹائی راڈ کے نٹ کھل گئے، اور جیپ تیزی کے ساتھ درخت سے ٹکرا گئی۔ گروہ کا سرغنہ سخت زخمی ہو گیا دیگر افراد بھی زخمی ہو گئے ان کا علاج فیض آباد یا لکھنؤ میں نہ ہو سکا۔ سب کو بمبئی لا کر علاج کرانا پڑا اور سرغنہ اپاہج ہو گیا۔ جب کہ حضرت بخیریت تمام اپنے پروگرام کے تحت گھر تشریف فرما ہو گئے حضرت نے تشریف لا کر فرمایا ہم تو بخیریت پہنچ گئے لیکن ہمارے دشمن اپنے کردار کو پہنچ گئے حالانکہ کسی کو اس سازش کا پتہ نہ تھا

لیکن حضرت نے اپنی روحانی بصیرت سے سب کچھ دیکھ لیا تھا۔حضرت نے اپنی ۸۲ سالہ زندگی میں مخلوق خدا کو بے کراں فیض پہنچایا۔حضرت نے کبھی ٹھٹھا مار کر ہنسنا پسند نہ فرمایا صرف مسکرادیا کرتے تھے۔

میرے سرکار! سرکار کلاں شریعت و طریقت کے سنگھم تھے جب میں حضرت مخدوم پاک کے عرس کے فوری بعد آستانہ پر حاضری دیتا تھا تو حضرت میری آمد کا انتظار فرماتے تھے۔وہ شفقت، وہ محبت اب کہاں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کا یہ لگایا ہوا پودہ ۸۲ سال اپنے سائے میں تمام اشرفیوں کو فیض پہنچاتا رہا آخر کار یہ آفتاب اشرفیت پوری دنیا پر اپنی ضیا پاشیوں کے بعد ۹ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ کو غروب ہوگیا لیکن انکا فیضان آج بھی جاری ہے۔اب حضرت مولانا مفتی سید اظہار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشین جو حقیقت میں صحیح معنوں میں سرکار کلاں کے جانشین ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تادیر صحت مند رکھے ان کی عمر طویل فرمائے۔(آمین)

مبلغِ اسلام علامہ مولانا

عبدالعلیم صدیقی القادریؒ

میری عمر اس وقت ۷ سال کی تھی جب ایک روز میں نے دیکھا ایک بزرگ شخص ہمارے گھر تشریف لائے ان بزرگ شخصیت سے واقف نہ تھا خوبصورت چہرہ سر پر گیروا رنگ کا عمامہ گلے میں موٹے چمکدار سفید دانوں کی تسبیح قادری عبا سفیدی مائل گھنی داڑھی آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ ۶ فٹ کے قریب قد مبارک آواز میں شیرینی و حلاوت ہونٹوں پہ دلفریب مسکراہٹ۔

ہمارے گھر پہ حضور قبلہ والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے اکثر بزرگان ملاقات کو تشریف لایا کرتے تھے ان میں ساروں کو میں پہچانتا تھا۔ یہ بزرگ سوائے ہمارے خاندانی بزرگان مثلاً حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی حضرت صاحب سجادہ سیّد محمد مختار اشرف مدظلہ۔ حضرت سیّد مصطفیٰ اشرفؒ وغیرہ کے تمام بزرگ گھر میں باہر کی بیٹھک میں تشریف فرما ہوتے تھے البتہ خاندانی بزرگان گھر کے اندر تشریف لے جاتے تھے لیکن آج عجیب بات تھی کہ یہ بزرگ شخصیت جن کا ذکر اوپر کر چکا ہوں

اور وہ اندرون دورازہ پہ آواز دے کر اندر گھر میں تشریف لے آئے اور سیدھے ہماری دادی مرحومہ کے کمرہ میں جا کر دادی اماں کے پاس بیٹھ گئے۔ دادی اماں اکثر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہا کرتی تھیں۔ ہماری دادی اماں حافظ قرآن تھیں اور ماہ رمضان المبارک میں تقریباً ۲۰ قرآن پاک ختم فرماتی تھیں یہ اکثر ناظرہ یا حفظ قرآن پاک پڑھنے والوں کی غلطیاں نکالا کرتی تھیں۔ یہ بزرگ بہت آرام سے دادی اماں کے پاس بیٹھ کر انکے قرآن کریم ختم کرنے کا انتظار فرمانے لگے۔ دادی اماں بے حد پردہ فرماتی تھیں یعنی جب گھر سے کہیں جاتیں تو ہاتھوں میں دستانے پاؤں میں موزے پہنتی تھیں لیکن آج ان بزرگ سے پردہ نہ فرمایا۔ میں بڑے ہی اشتیاق سے ان بزرگ کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد قبلہ والد صاحب بازار سے گھر تشریف لائے تو ان بزرگ کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئے اور ہر دو بزرگان نے معانقہ کیا اتنی دیر میں دادی اماں نے قرآن کریم بند کر کے دعا مانگ کر ان بزرگ کے سر اور کمر پر ہاتھ پھیرا اور یہ بزرگ دادی اماں کے سامنے جھک گئے ۔ والدہ صاحبہ نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا میرے پوچھنے پہ والدہ نے فرمایا کہ یہ بزرگ تمہارے والد کے بڑے بھائی کی طرح ہیں اور یہ میرٹھ سے تشریف لائے ہیں۔ والدہ صاحبہ ان کے سامنے نہ آئیں۔ لیکن عمدہ قسم کا ناشتہ تیار کر کے ملازمہ کے ہاتھوں دادی اماں کے کمرہ میں بھیج دیا۔ میں بھی دادی اماں کے کمرہ میں گیا تو ان بزرگ نے بہت ہی دل آویز مسکراہٹ سے مجھے اپنے قریب بلایا اور سر پر ہاتھ

پھیر کر میرے ماتھے پر پیار کیا۔ پھر اپنے ساتھ ناشتے میں شریک کرلیا۔ یہ میرٹھ سے ایک خاص قسم کا پھل لائے تھے جو عجیب قسم کا شکل کا تھا لیکن اسے چھیل کر کھانے میں بہت مزیدار تھا۔ یہ جب ناشتہ سے فارغ ہوئے تو دادی اماں نے انکو اپنے ہاتھ سے پان بنا کر دیا انہوں نے کھایا بلکہ بہت رغبت سے یہ پان لیا۔ تھوڑی دیر بعد انکے ہونٹ سرخ ہوگئے جس سے یہ اور خوبصورت لگنے لگے۔ بہر حال گھنٹے بعد جب یہ تشریف لیجانے لگے تو میں ان سے کافی مانوس ہو چکا تھا۔۔ ان بزرگ نے جاتے وقت مجھے اپنی جیب سے نکال کر چمکتے ہوئے ۴ پیسے دیئے۔ اس وقت ۴ پیسے بہت بڑی چیز تھی کیونکہ ۳ دمڑی کا ایک دھیلہ ہوتا تھا اور ۲ دھیلوں کا ایک پیسہ اور ۲ پیسوں کا ایک ادھنا ہوتا تھا اور ۲ ادھنوں کا ایک آنہ اس وقت ایک دمڑی میں جھولی بھر کر بھنے چنے ملا کرتے تھے۔ جس سے انسان کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب یہ بزرگ جانے لگے تو انہوں نے جھک کر دادی اماں کو سلام کیا اور دادی اماں نے انکے سر پر ہاتھ پھیرا اور انکو دو آنے دیئے جسے انہوں نے لیکر چوما اور اپنی جیب میں رکھ لئے۔ قبلہ والد صاحب آج بہت ہی خوش تھے پھر والد صاحب ان بزرگ کے ساتھ گلی کے آخری سرے تک گئے اور انکو تانگہ میں بیٹھا کر واپس تشریف لائے میں نے دادی اماں سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون تھے؟ تو فرمانے لگیں یہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن پر اللہ کی خاص رحمت برستی ہے اور اللہ کی تمام مخلوق ان کیلیئے دعا کرتی ہے۔ میں نے پوچھا کیا جنات بھی؟ فرمانے لگیں جنات انسان۔

دریائی مچھلیاں چرند پرند سب ہی ان کیلئے دعا کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کرتے ہیں اور اللہ کے دین کے عالم ہیں۔ دادی اماں کی یہ باتیں اس وقت میری سمجھ سے باہر تھیں۔ مجھے دادی اماں نے بتایا کہ ان بزرگ کا نام عبدالعلیم ہے لیکن دادی اماں سے انکا کیا رشتہ یا تعلق تھا یہ نہ میں نے پوچھا اور نہ انہوں نے بتایا لیکن یقیناً کوئی بہت ہی قرابت داری تھی۔ حضرت مبلغ اعظم پھر اکثر جب دہلی تشریف لاتے اور ہمارے گھر تشریف لاتے تو ان کی زیارت ہوتی رہی لیکن اکثر یہ ۲ ماہ بعد یا ایک سال بعد تشریف لاتے تو اکثر اپنے سفر جو زیادہ تر براعظم افریقہ کا ہوتا تھا اسکے متعلق گفتگو فرماتے۔ دن بیتتے گئے اور پاکستان بن گیا۔ جب دہلی میں قتل عام شروع ہوا تو ایک رات ہندوؤں نے ہمارا محلّہ گھیر لیا لیکن نعرہ تکبیر کی برکت اور والد صاحب قبلہ نے چھت پر چڑھ کر پورے محلے کا حصار فرمایا تھا ہمارا محلّہ بچ گیا۔ پھر صبح ہی محلّہ سے انخلا شروع ہوا۔ کافی لوگ پرانے قلعہ دھلی میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ ایک الگ کہانی ہے لیکن جب ماہ محرم کی ۹ تاریخ کو ہمارے والد صاحب کے ایک ہی بھائی سید سلطان اشرف کو انکے گھر میں گھس کر ۴۸ ہندو غنڈوں نے شہید کر دیا تھا سامان لوٹ لیا تو پھر والد صاحب نے بھی پاکستان آنے کا ارادہ مصمم فرمایا۔ کیونکہ ہمارا گھرانہ کٹر مسلم لیگی تھا اور مولوی احمد سعید دہلوی جو والد صاحب کے ہم سبق تھے وہ کانگریس کے سرکردہ کارکن تھے اور والد صاحب قبلہ کی پاکستان حمایت اور مسلم لیگ سے ہمدردی انہیں بہت کھلتی تھی۔ اس لئے انہوں نے والد صاحب کو گرفتار

کرانے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن چچا جان کی شہادت کے بعد والد صاحب کا انکے بال بچے جو پہلے ہی لاہور لائے جا چکے تھے اور گوال منڈی میں قیام پذیر تھے انہیں سنبھالنے کے لئے آنا ضروری تھا چنانچہ ہم بھرا گھر محلے کے ایک متقی تہجد گزار شخص کے سپرد امانت کر کے عازم پاکستان ہوئے یعنی صرف ۲......۲ جوڑے کپڑوں میں پاکستان آنا ہوا ہمارے آنے کے بعد ان صاحب نے جن کے سپرد ہم اپنا مکان کر آئے تھے انہوں نے لوٹ لیا۔ پہلے لاہور پھر کراچی آنا ہوا۔ ہم لوگ ملٹری ہسپتال کے مہاجر کیمپ میں پناہ گزیں ہوئے اور تقریباً ۳ سال وہاں گزارے۔ حضرت مبلغ اسلام علامہ مولانا عبدالعلیم صدیقی القادری رحمتہ اللہ علیہ ان دنوں صدر بازار کراچی میں میمن مسجد سے متصل ایک مکان میں مقیم تھے جس مکان میں آج حضرت علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ تشریف فرما ہیں۔ مبلغ اعظم مغرب و مشرق علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی القادری رحمتہ اللہ علیہ اس وقت بالکل سفید ہو چکے تھے داڑھی مبارک سفید براق ہوگئی تھی سفید چہرہ پر سفید داڑھی بہت کھلتی تھی۔ یہ عظیم شخصیت جس قدر بلند مرتبہ پر فائز تھی اسی قدر منکسر المزاج بے انتہا رحیم کریم شفیق۔ خلیق سخی تھی جو بیان سے باہر ہے۔ کم از کم میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا شخص نہیں دیکھا جو انتہائی خوبصورت خوب سیرت ہو جب اردو بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ انگریزی یا فرانسیسی بولتے تو معلوم ہوتا کہ وہیں کی پیدائش ہے۔ جب عربی بولتے تو معلوم ہوتا کہ عرب کے باشندہ ہیں۔ حضرت مبلغ اعظم کو ہمارے والد صاحب قبلہ

مرحوم شاہ سید محمد طاہر اشرف سے کس قدر محبت تھی اسکا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جب حضرت مبلغ اسلام کراچی میں تشریف فرما ہوتے تو روزانہ والد صاحب انکی قیام گاہ متصل میمن مسجد ضرور جایا کرتے تھے اور اگر کسی روز نہ جاسکتے تو علامہ صاحب گاڑی بھیج کر بلایا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ پاکستان آنے کے بعد جب ہم ملٹری ہسپتال کے مہاجر کیمپ میں تھے تو ماہ رمضان المبارک ختم ہونے کے بعد عید الفطر آ گئی۔ اس وقت رویت ہلال کا جلسہ میمن مسجد صدر میں حضرت مبلغ اسلام کے زیر صدارت منعقد ہوتا تھا۔ چنانچہ عید کا چاند نظر آ گیا صبح عید تھی۔ ہم لوگ قبل نماز فجر اُٹھ کر عید کی تیاری کر رہے تھے کہ باہر سے حضرت مبلغ عالم کی آواز سنائی دی باہر جا کر دیکھا تو حضرت تشریف فرما ہیں۔ حضرت صدر بازار سے پیدل ٹہلتے ہوئے فریئر ہال سے گذر کر کینٹ اسٹیشن کا لاپل پار کر کے ہم لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ پھر سب کو عیدی عطا فرمائی اور والد صاحب قبلہ و ہم سب بھائیوں کو بگھی منگا کر اس میں سوار ہو کر سب کو ساتھ لیکر صدر بازار میمن مسجد تشریف لائے۔ نماز عید پڑھائی خطبہ ارشاد فرمایا دل چاہتا تھا کہ خطبہ سنتے رہیں۔ بعد نماز عید الفطر اپنے گھر پر سب کو کھانا کھلا کر واپس بھیجا۔ ایک روز حضرت مبلغ عالم آرام فرما رہے تھے والد صاحب مرحوم نے مجھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ حضرت کی ٹانگیں دباؤ۔ میں نے آہستہ آہستہ حضرت کی ٹانگیں دبانا شروع کیں تو حضرت نے ٹانگیں پھیلا دیں۔ میں دباتا رہا۔ حضرت کی پنڈلیاں نرم نرم تھیں آہستہ آہستہ دباتا رہا۔ اچانک

حضرت مبلغ اسلام نے کروٹ لی اور اتفاق سے آنکھ کھل گئی اور جب مجھے ٹانگیں دباتے دیکھا تو جلدی اٹھ بیٹھے اور پرنم آنکھوں سے مجھے دیکھا بلکہ میرے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گئے فرماتے جاتے یا اللہ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے منہ دکھاؤں گا کہ نبی کی آل سے میں نے ٹانگیں دبوائیں! حضرت مبلغ اسلام کی بے چینی اور نم دیدگی نا قابل بیان ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اتباع میں حضرت مبلغ اسلام کس قدر میری ٹانگیں دبانے میں شرمندگی محسوس فرمارہے تھے۔ یہ تھی محبت رسول ﷺ اور محبت آل رسول ﷺ ۱۹۴۸ء میں والد صاحب مرحوم کے ساتھ حضرت مبلغ مغرب ومشرق علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی القادری رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں موجود تھا حضرت مبلغ اعظم اپنے سفر میں پیش آنے والے واقعات سنارہے تھے کہ اچانک حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین اشرفی مرادآبادی اور حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی تشریف لے آئے۔ ہم سب استقبال کو کھڑے ہوگئے حضرت صدرالافاضل بہت سادہ لباس میں ملبوس رہا کرتے تھے۔ سر پہ پٹھے کی گول کڑھی ٹوپی، شیروانی علیگڑھ کٹ پاجامہ ہوتا تھا، حضرت صدرالافاضل کے ساتھ حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی اپنے مخصوص خاندانی لباس میں ملبوس۔ ہردو حضرات نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا لیکن حضرت صدرالافاضل نے بھی میرا ماتھا چوما والد صاحب اور مبلغ اعظم سے معانقہ کیا۔ سب مل بیٹھے پاکستانی دستور کے متعلق باتیں ہوتی رہیں مسودہ جو یہ دونوں حضرات ساتھ لائے تھے۔ یہ مبلغ اعظم کو

دکھایا پھر سنی علمائے پاکستان کی جماعت بندی پر بحث شروع ہوئی۔سوال یہ تھا کہ پاکستانی علماء کی جماعت کا کیا نام رکھا جائے۔ پہلے یہ تجویز پیش ہوئی کل پاکستانی سنی کانفرنس یعنی بنارس سنی کانفرنس سے رشتہ قائم رکھتے ہوئے نام رکھا جائے کیونکہ بنارس سنی کانفرنس کے نتیجہ میں ملک بنا تھا۔لیکن حضرت صدر الافاضل نے یہ نام پسند نہ فرمایا اس کے بعد دیگر نام سنی جمعیت علماء کا بھی زیر غور آیا آخر حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھویؒ نے فرمایا کہ ہندوستان میں جمعیت علمائے ہند کے مقابلہ پر اگر جمعیت علمائے پاکستان رکھا جائے تو بہتر ہوگا پھر حضرت محدث اعظم ہند نے اپنے مخصوص انداز میں دلائل دیئے تو سب سے پہلے حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین اشرفی مراد آبادی نے یہ نام پسند فرمایا اور پھر سب اکابر اس نام پر متفق ہوگئے۔اس طرح آج جو جمعیت علمائے پاکستان موجود ہے۔اور جس کے دائمی صدر حضرت شاہ احمد نورانی مدظلہٗ ہیں اس جمعیت علمائے پاکستان کا بھی انکے والد ماجد ہی کی زیر صدارت نام طے ہوا تھا۔اس وقت کس کو معلوم تھا کہ حضرت مبلغ اعظم کی زیر صدارت جس جماعت کا نام تجویز ہوا ہے آنے والے وقت میں انہی کے صاحبزادے اس جماعت کے تاحیات صدر ہونگے۔شاید ۵۰ یا ۴۹ء میں ایک روز میں حضرت مبلغ اعظم کی خدمت میں قبلہ والد صاحب مرحوم کا ایک رقعہ لیکر پہنچا اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا اور حضرت مبلغ اعظم شاید کہیں تشریف لے جارہے تھے پورے لباس میں ملبوس مجھے اپنی قیام گاہ کے باہر گیلری میں لے گئے دیکھتے ہی مرحبا

اہلاً وسھلاً فرمایا اور ایک آلو چہ حضرت کے منہ میں تھا وہ حضرت نے شاید آدھا کھایا تھا کہ وہ میرے منہ دیدیا اور میں نے تبرکاً ''مع گٹھلی کے اس کو نگل لیا حضرت نے مسکرا کر میرے ماتھے پر بوسہ دیا اور شفقت سے فرمایا کہ آپ نے گٹھلی بھی نگل لی؟ میں نے عرض کی کہ یہ آپکا صحیح تبرک تھا حضرت مبلغ اعظم بہت نفیس طبیعت کے مالک تھے اور تمام مغربی و مشرقی ممالک میں سفر فرماتے تھے لیکن لباس فاخرانہ اور طرز فقیرانہ کو ترک نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت مبلغ اعظم کے زیر صدارت آرام باغ کراچی میں جمعیت علمائے پاکستان کے زیر اہتمام جہاد کشمیر کے سلسلہ میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی اس وقت اس جماعت کے صدر حضرت علامہ مولانا عبدالحامد بد ایونی رحمتہ اللہ علیہ تھے تو جوشِ جہاد میں علامہ بدایونی نے فوجی لباس زیب تن فرمایا یعنی سر پر فوجی ٹوپی پینٹ شرٹ۔ جب علامہ اس لباس میں جلسہ گاہ تشریف لائے تو حضرت مبلغ اعظم نے قبلہ والد صاحب سے فرمایا کاش مولانا بدایونی اس لباس پر قادری عبا پہن لیتے تو اس مجاہدانہ لباس کی شان کچھ اور ہو جاتی۔ یعنی حضرت مبلغ اعظم کو یہ پسند نہ تھا کہ ایک عالم صرف دنیادار لباس پہنے بلکہ اس لباس کے ساتھ شان عالمانہ اور شان فقیرانہ ضرور ہو۔ حضرت مبلغ اعظم کبھی کبھی فارغ وقت میں دوپہر کو اکثر والد صاحب قبلہ سے راز و نیاز کی باتیں کرتے۔ میں کیونکہ اکثر والد صاحب کے ساتھ ہوتا تھا اس لئے مجھے بھی یہ راز دارانہ ملاقات کے رموز سننے کا موقع ملتا تھا۔ حضرت مبلغ اعظم جب آخری مرتبہ پاکستان تشریف لائے۔ کراچی

ائیر پورٹ پر بہت شاہانہ استقبال کیا گیا اور حضرت اس مرتبہ تقریباً اڑھائی ماہ کراچی میں قیام پذیر رہے۔ ایک دوپہر جب حضرت مبلغ اعظم اور والد صاحب اکیلے تھے اور میں والد صاحب کے برابر بیٹھا تھا تو افریقہ میں اپنے گزرے واقعات سنا رہے تھے تو فرمانے لگے کہ افریقہ میں جادو بہت ہے اور بڑے زبردست جادو گر ہیں فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ ایک جادوگر سے مقابلہ ہوا تو وہ ہوا پر قائم ہو گیا اس وقت میں ایک لکڑی کے تخت پر کھڑا تھا جب اس جادوگر نے مجھے چیلنج دیا کہ ہوا پہ اڑ کر دکھاؤ تو الحمد اللہ میں تخت سمیت ہوا پر اسکے اوپر جا کر قائم ہوا اس طرح تمام مجمع مع اس جادوگر کے مسلمان ہوا۔ حضرت مبلغ اعظم نے سات سو سے زیادہ انگریزوں کو مع انکے پادری کے مناظرہ فرما کر مسلمان کیا تھا اور ہزاروں قادیانیوں کو دوبارہ مسلمان کیا تھا۔ کہنے کو تو یہ بہت آسان ہے کہ سات سو انگریز مع پادری کے مسلمان ہوئے لیکن حقیقتاً یہ کام اتنا آسان نہیں۔ ماہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا ایک روز میں بوقت تراویح حضرت مبلغ اعظم کی خدمت میں گیا تو دیکھا ایک نوجوان شخصیت گورا اور بھرا بھرا جسم سیاہ گھنی لیکن قدرے چھوٹی چھوٹی داڑھی بڑی بڑی آنکھیں حضرت مبلغ اعظم سے مماثل آواز تشریف فرما ہیں۔ کیونکہ میں اپنی کم عمری کیوجہ سے حضرت کے گھر میں اندر جایا کرتا تھا اور حضرت کے بڑے صاحبزادے جناب جیلانی میاں۔ ربانی میاں، سبحانی میاں جو حضرت مبلغ اعظم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں تو سبحانی میاں نے فرمایا

کہ ہمارے منجھلے بھائی احمد نورانی ہیں جو ابھی میرٹھ سے علم دین میں فارغ التحصیل ہوکر کراچی تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ میں نے بڑھ کر حضرت نورانی میاں سے مصافحہ کیا۔نورانی میاں نوعمری میں حسن کا پیکر تھے۔ میں نے دیکھا کہ علامہ شاہ احمد نورانی نفلوں میں سے قرآن پاک سنا رہے ہیں اور حضرت مبلغ اعظم بیٹھ کر قرآن پاک کھول کر دیکھ کر سن رہے تھے اور غلطیوں کی نشان دہی فرما رہے تھے۔ اس دوران علامہ عبدالحامد بدایونی کی معرفت والد صاحب نے فردوس کالونی میں ایک قطع اراضی خریدا تھا تو مکان کا سنگ بنیاد رکھنا تھا۔ والد صاحب نے حضرت مبلغ اعظم سے درخواست کی کہ آپ مکان کا سنگ بنیاد رکھیں حضرت نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کی بنیاد سنیچر کو رکھی گئی تھی اس لئے سنیچر کی صبح بنیاد رکھیں گے۔ چنانچہ سنیچر کی صبح حضرت مبلغ اعظم تشریف لے گئے اور پھر اینٹ کو پکڑ کر فرمایا شاہ صاحب (یعنی والد صاحب) آپ بھی ایک طرف سے اس اینٹ کو پکڑ لیں چنانچہ ہر دو بزرگوں نے مل کر سنگ بنیاد رکھا۔ حضرت مبلغ اعظم نے اسی مکان کی چھت کے سلسلہ میں ایک ہزار روپے والد صاحب کو نذرانہ عطا فرمایا کہ یہ ایک سید کا مکان ہے'' مجھے بھی سعادت ملے۔ اس وقت ایک ہزار روپیہ کی بڑی قیمت تھی یعنی اس وقت ۴ روپے کی سیمنٹ کی بوری ملتی تھی اور ۱۴روپے کا ایک پتھروں کا ٹرک آتا تھا۔ مستری پانچ روپے روز لیتا تھا۔ بہر حال وقت گذرتا رہا اور پھر حضرت نے پاکستان سے اپنے تبلیغی مشن پر روانگی اور پاکستان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کا پروگرام

مرتب فرمایا۔ حضرت مبلغ اعظم کو میری والدہ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چکن کی ٹوپی بہت پسند تھی چنانچہ جسم کے مطابق والدہ صاحبہ نے ۲ ٹوپیاں چکن کی ایک لمبا کرتا چکن کا تیار کر کے دیا۔ حضرت مبلغ اعظم کو والد صاحب قبلہ نے ایک بہت عمدہ کلا بتو کی جوتی بنوا کر پیش کی۔ حضرت مبلغ اعظم نے والد صاحب کو ایک انگلستان سے لایا ہوا چمڑہ کا جوتا ایک عربی عبا اور سلکی کرتا عطا فرمایا۔ اس وقت میں اسکول کی ۷ ویں کلاس میں پڑھتا تھا لیکن والد صاحب میرا سر منڈوایا کرتے تھے اور اسکول کے لڑکے شرارتاً میرے سر پہ ٹوپی اتار کر انگلیاں مارا کرتے تھے میں نے حضرت مبلغ اعظم کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا تو حضرت نے والد صاحب کو سر پر پٹے بال رکھنے پر آمادہ کر لیا اس طرح میری مصیبت ٹلی۔ حضرت مبلغ اعظم کی اہلیہ بھی بہت شفیق مہربان تھیں اکثر جب میں جاتا تو اندر بلاتیں اور ضرور کچھ نہ کچھ کھلاتی تھیں۔ کیا کیا یاد کروں اور کیا کیا یادیں لکھوں ایک دفتر چاہئے بس یہ سمجھیں کہ جو لکھا ہے وہ کچھ نہیں ہے طوالت کا خوف ہے اور پھر پڑھنے والوں سے خوف ہے کہ پڑھتے پڑھتے تھک کر نا تمام نہ چھوڑ دیں۔

جب حضرت مبلغ اعظم سفر پر روانہ ہوئے تو کراچی سے بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں سے ماریشس اور پھر آگے تشریف لے گئے۔ رخصت ہوتے وقت نم دیدہ ہو کر والد صاحب سے فرمایا کہ ہر مرتبہ سرکار مدینہ کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ حضور اجازت عطا فرمائیں اور میں مدینہ میں قیام کروں لیکن ہمیشہ یہی جواب ملا

ہے کہ ابھی اور کام کرنا ہے۔ پھر فرمایا کہ شاید اس مرتبہ سرکار علیہ السلام میری یہ عاجزانہ درخواست قبول فرمالیں حضرت مبلغ اعظم نے ۳۶ سے زیادہ حج ادا فرمائے تھے عمروں کا تو ٹھکانا نہیں۔ بہر حال حضرت نے والد صاحب سے ایک طویل معانقہ فرمایا اور پہلی بار میں نے دیکھا کہ حضرت مبلغ اعظم نے والد صاحب کی گردن پہ بوسہ دیا میرے ماتھے پہ بوسہ دیا اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے غالب نے صحیح کہا ہے۔

سب نہیں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

حضرت مبلغ اعظم اپنے بڑے بھائی سے بیعت تھے اور ان سے خلافت بھی حاصل تھی حضرت کو حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی خلافتیں تھیں۔ لیکن بہ طریقہ تصوف آپ نے اپنے بھائی کی خلافت جو خلافت اولیٰ تھی اس کو چلاتے رہے۔ دیگر خلافتیں تبرک کے طور پر رکھیں۔ اس طرح حضرت مبلغ اعظم کو سلسلہ اشرفیہ کی نسبت بھی حاصل تھی۔

حضرت مبلغ اعظم کیونکہ دین ودنیا کے علوم سے بہرہ ور تھے اور تقریباً ۱۳ زبانوں پر عبور حال تھا اس لئے وہ میرے مستقبل کے آئیڈیل تھے چنانچہ میں ہمیشہ دل میں خیال کرتا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ بڑا ہو کر حضرت مبلغ اعظم علامہ مولانا عبد

العلیم صدیقی القادری جیسا بنوں گا الحمد اللہ کسی حد تک آج میں بہت ساری چیزوں میں انکا مقلد ہوں۔

انشاء اللہ آئندہ کبھی باقی کچھ لکھوں گا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان علامہ مولانا

سیّد احمد اشرفی رحمتہ علیہ

(ابوالبرکاتؒ)

جون ۷۷ء کا مہینہ تھا وقت کے جابر ظالم حکمران ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف پی این اے کی تحریک اپنے عروج پر تھی ۔ حضرت ذی وقار شاہ سید محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشین سرکار کلاں ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے اور کراچی سے لاہور آ کر مرکزی حزب الحناف گنج بخش روڈ پر حضرت والا شان مفتی اعظم پاکستان سیدی ابوالبرکات سید احمد صاحب کے دولت خانہ پر جلوہ افروز تھے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان کی قیام گاہ قبل تقسیم ہندوستان بھی ہمیشہ خاندان اشرفیہ کے بزرگان کیلئے عارضی قیام گاہ رہتی تھی کیونکہ حضرت مفتی اعظم پاکستان کے پیرو مرشد اعلیٰ حضرت شیخ طریقت ہم شکل غوث جیلانی شاہ سید علی حسین الاشرفی

الجیلانی قدس سرہ کو حضرت سیّد ابوالبرکات سے بے پناہ محبت والفت تھی اس لئے سید صاحب قبلہ کے پاس ہمیشہ پورا ماہِ رمضان قیام فرمایا کرتے تھے، پھر حضرت محدث اعظم ہند شاہ سید محمد محدث کچھوچھوی قدس سرہ نے اور دیگر بزرگان کچھوچھا شریف ہمیشہ سید صاحب ہی کے یہاں قیام فرماتے رہے تھے۔ میں سیدی ابو البرکات سید احمد صاحب سے بالمشافہ متعارف نہ تھا۔ حضرت شاہ سید محمد مختار اشرف صاحب سجادہ نشین کچھوچھا شریف جب کراچی سے لاہور تشریف لا رہے تھے تو حضرت صاحب موصوف نے مجھے بھی لاہور آنے کا حکم فرمایا تھا۔ میں لاہور جب بھی آتا تھا تو حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کی درگاہ سے قربت کی وجہ سے پائلٹ ہوٹل گنج بخش روڈ پر ہی قیام کرتا تھا۔ چنانچہ میں بمع اہلیہ (جو حضرت سجادہ نشین موصوف کی نواسی ہیں) لاہور آیا اور حسب معمول پائلٹ ہوٹل میں قیام کیا۔ میں نے ۲ کمرے بک کرائے ایک عام ملاقات کیلئے اور دوسرا رہائش کیلئے۔ حضرت صاحب سجادہ نشین کو میرے پروگرام کا پہلے سے علم تھا اسی لئے شام کے وقت بعد عصر حضرت صاحب سجادہ نے مفتی اعظم پاکستان کے سب سے چھوٹے صاحب زادہ صاحب جناب صوفی مسعود احمد صاحب رضوی اشرفی کو مجھے بلانے کیلئے ہوٹل بھیجا۔ پائلٹ ہوٹل کیونکہ مرکزی دار العلوم حزب الاحناف کے بالکل سامنے واقع ہے اس لئے میں پیدل ہی خدمت عالی میں حاضر ہوا۔ اس وقت مرکزی دار العلوم کی یہ پرشکوہ عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی۔ نہ یہ عالیشان دروازہ تعمیر ہوا تھا۔ اندر دار

التدریس کے سامنے ایک چھوٹا سا باغ تھا۔جس میں ہری ہری گھاس پر حضرت سرکار کلاں اور حضرت سیدی ابوالبرکات ایک ساتھ کرسیوں پر رونق افروز تھے۔ دیگر صاحبزادگان حضرت شیخ الحدیث علامہ سید محمود احمد رضوی سامنے بینچ پر براجمان تھے۔ مجھے دیکھ کر حضرت سرکار کلاں نے اپنے قریب ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور سید صاحب قبلہ سے میرا باقاعدہ تعارف کرایا تو حضرت مفتی اعظم پاکستان نے جو عجز و انکسار کا نمونہ تھے مشفقانہ برہمی سے فرمایا کہ حضرت آپ کے خاندان کے تمام حضرات ہمیشہ فقیر خانہ پر قیام فرماتے ہیں پھر آپ نے ہوٹل میں کیوں قیام فرمایا۔ میں نے تاویلات پیش کیں لیکن اس علم کے سمندر کے سامنے کوئی تاویل کارگر نہ ہوئی۔ آخر حضرت سید صاحب نے حضرت سرکار کلاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا حضور ان سے وعدہ لیں کہ آئندہ میرے گھر پر قیام فرمائیں اور میں نے بخوشی و رضا یہ دعوت قبول کی۔ پھر حضرت سرکار کلاں کے حکم پر اہلیہ کو بھی ہوٹل سے بلا لیا اور علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ کے اہل خانہ سے تعارف ہوا۔ اسکے بعد میں لاہور آتا رہا اور حضرت سیدی ابوالبرکات کے ہاں قیام کرتا رہا۔

میری عادت ہے کہ میں شب بیداری کے بعد صبح اشراق پڑھ کر ضرور سوتا ہوں اور درحقیقت بعد اشراق میں بغیر سوئے نہیں رہ سکتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ میں بعد نماز اشراق جائے نماز کو لپیٹ کر سرہانے رکھ کر سو جاتا تو سیدی ابوالبرکات صاحب تشریف لاتے اور خاموشی کے ساتھ تکیہ میرے سر کے قریب اس طرح رکھ دیتے کہ

کروٹ لینے پر میرا سر خود بہ خود تکیہ پر آ جائے اور ایسا ہی ہوتا۔ پھر جب بیدار ہوتا تو حضرت سید صاحب قدس سرہ تشریف لاتے اور میرے ساتھ ناشتہ فرماتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میں علامہ رضوی، صاحب مدظلہ کے گھر کے باہر دفتر میں اپنے ملنے والوں سے ملنے باہر آیا اور حضرت وہاں تشریف فرما ہوتے تو کھڑے ہوجاتے۔ مجھے شرم آتی تھی کہ اتنی بڑی شخصیت میرے احترام میں کھڑی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ میرا احترام نہیں تھا بلکہ وہ اپنے پیر خانہ سے جوانکو محبت ولگاؤ تھا اسکا احترام تھا۔

وہ صورتیں الٰہی کس ملک کی بستیاں ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

میں کراچی میں ہر سال اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کا سالانہ عرس منعقد کرتا ہوں تو میں نے حضرت شیخ الحدیث شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی اشرفی مدظلہ کو کراچی عرس اشرفی میں مدعو کیا اور علامہ صاحب تشریف لے گئے اور پھر بعد میں تقریباً ۸ سال تک برابر عرس اشرفی وعرس اشرفیہ میں شرکت کیلئے کراچی تشریف لاتے رہے ایک روز ناشتہ کے دوران حضور سیدی ابوالبرکات قدس سرہ نے فرمایا حضور آپکے آنے سے آپکے محمود سے والہانہ لگاؤ نے محمود کو گھر سے باہر نکالا ''اسکی مجھے بڑی خوشی ہے سید صاحب نے اتنی محبت ولگاؤ سے یہ فرمایا کہ میرے دل میں علامہ صاحب کی محبت اور زیادہ ہوگئی۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ علامہ سیّد محمود

احمد صاحب اس وقت اہلسنّت والجماعت کا سرمایہ ہیں۔ میں نے انکے قریب رہ کر دیکھا ہے اور ان سے علمی گفتگو سنی ہے مسائل دینی پر بھرپور دسترس رکھتے ہیں اور مشکل مسائل کو بہت ہی آسان طریقہ پر حل کرتے ہیں۔ بہر حال یہ بات تو ضمناً آ گئی تھی۔ ایک مرتبہ حضور داتا صاحب کا عرس شریف اور حضرت سید صاحب قدس سرہ کی صدارت تھی۔ میں اور علامہ رضوی صاحب بھی موجود تھے۔ سید صاحب قدس سرہ کو پیشاب کی تکلیف تھی تو انکے لئے علیحدہ قریب ہی (جلسہ گاہ سے) پیشاب کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ جب علامہ سید سعید احمد کاظمی رحمتہ اللہ علیہ نے تقریر شروع کی تو علامہ کاظمی جب کسی حدیث کو پیش کرنے کے لئے اسکی تمہید پیش کرتے تو سید صاحب قدس سرہ فوراً حدیث پڑھتے تھے۔ اور تھوڑی دیر بعد کاظمی صاحب وہ ہی حدیث بیان فرماتے۔ حضور سیدی ابوالبرکات قدس سرہ علم کا ایک ایسا سمندر تھا کہ جسکی تہہ تک پہنچنا مشکل تھا۔ سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتسلیم کی سختی سے پابندی فرماتے تھے۔ علم حدیث کو اپنے شاگردوں کے سینوں میں منتقل کرنے کا ایسا شوق تھا کہ بستر علالت پر بھی اسباق پڑھانے میں مسرت محسوس فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ طلباء کو حضور اکرم نور مجسم کے مسواک کرنے کے طریقے سمجھانے میں اپنے منہ اور حلق سے وہ آواز نکال کر بتا رہے تھے جو سرکار علیہ السلام کا طریقہ احادیث میں منقول ہے۔ حضور سیدی ابوالبرکات کی حیات ظاہری میں میرا آنا جانا رہا اور سیدی موصوف قدس سرہ کے حکم کے مطابق علامہ سید محمود احمد رضوی اشرفی مد

ظلہ کے مکان پر قیام کرتا رہا۔علامہ سید محمود احمد صاحب بڑی خوبیوں کے مالک ہیں سادہ طبیعت سادہ لباس سادہ غذا اور اپنے والد مکرم کے صحیح جانشین ہیں۔ شارح بخاری ہیں ۔علم حدیث پر پوری دسترس رکھتے ہیں ۔ بخاری شریف کی احادیث پر پوری دسترس رکھتے ہیں ۔ بخاری شریف کی احادیث زبانی یاد ہیں ۔تقریر جب شروع کرتے ہیں تو بہت آہستہ آہستہ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ خطاب و آواز میں تیزی پیدا ہوتی جاتی ہے علامہ صاحب جب کراچی مرکزی عرس اشرفیہ نشتر پارک میں تقریر فرماتے تھے تو اکثر دیو بندی علماء بھی آپ موصوف کا خطاب سننے آتے تھے۔علامہ صاحب میں یہ خوبیاں اپنے نامور باپ سے ہی منتقل ہوئی ہیں۔ ہاں تو اپنی یادیں تحریر کررہا تھا۔ ماہ ستمبر بعد ماہ رمضان المبارک مجھے پیغام ملا کہ علامہ صاحب کی سب سے بڑی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں تمام گھر والوں کو شرکت کرنا ہے۔ میں نے کراچی سے لاہور کا سفر بذریعہ موٹر اور مائیکرو وین کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ میں نے اپنی فاکس وگین مائیکرو وین اور مرسڈیز میں اپنے گھر کے افراد اور کچھ خاص مریدین کی جماعت لیکر ۹ شوال ۱۳۹۸ھ یعنی ۱۳ ستمبر ۷۸ء کو کراچی سے لاہور روانہ ہوا۔ راستے میں حیدرآباد، سکھر اور ملتان اور راتیں گزار کر ۱۷ ستمبر کی شام مرکزی دارالعلوم حزب الاحناف پہنچے۔اس وقت سید صاحب قدس سرہ کی طبیعت بہت خراب نہیں تھی لیکن کمزوری بے انتہا تھی ۔ بستر پر تشریف رکھتے تھے ۔ میں جب ملاقات کیلئے اندر گیا تو مولانا احمد نورانی ، مولانا عبدالستار خان

نیازی، مولانا خلیل احمد قادری اشرفی وہاں تشریف رکھتے تھے۔اور حضور سید صاحب قدس سرہ تکیہ کے سہارے آنکھیں بند کئے بیٹھے تھے۔ میرے متعلق جب خلیل احمد مدظلہٗ نے سیّدی کے کان میں کہا کہ ڈاکٹر سیّد مظاہر اشرف آئے ہیں تو اچانک جیسے ان کے جسم پاک میں جان آ گئی اور بہت بے تابی اور محبت ولگن کے انداز میں ہاتھ پھیلائے میں نے بڑھ کر ہاتھ میں ہاتھ دیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر خوب دبایا اور خوشی چہرہ پر نمودار ہوئی۔ بول نہیں پا رہے تھے لیکن اشارہ سے خیریت دریافت کی۔ میں سیّدی کے سامنے بیٹھ گیا۔شاید سیّدی کو اپنی بے پایاں شفقت کی وجہ سے یہ محسوس ہوا کہ میں ان سے نیچے کرسی پر بیٹھا ہوں تو کچھ بے چین سے ہوگئے اور جسم کو اِدھر اُدھر کرنے لگے میں سمجھ گیا اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر میں نے اجازت لی اور باہر آ گیا۔ میرے باہر آنے کے بعد سیّدی پھر اپنی پہلی حالت پر آ گئے یعنی پر سکون سے ہوگئے۔ یہ تھا وہ احترام پیر خانہ، یہ محبت اپنے پیر خانے کی جو آج ڈھونڈے نہیں ملتی۔ ہمارے آنے کے بعد روز بروز سیّدی کی حالت تشویش کی حد پار کرتی گئی۔اسی دوران بزرگوں کے مشورہ کے مطابق علامہ صاحب کی بڑی صاحبزادی کی رسم شادی خانہ آبادی انجام دی گئی۔ شاید بیٹی کا ولیمہ ہوگیا تھا کہ علامہ صاحب میرے پاس بہت غمگین حالت میں تشریف لائے۔ فرمانے لگے کہ بھائی جان (والد صاحب) کی حالت نازک ہوگئی ہے۔ اب مسئلہ قبر شریف کا تھا کہ کہاں تدفین عمل میں لائی جائے تو ایک بزرگ نے حضرت محدث الوری قدس سرہ کے

پہلو میں جگہ منتخب کرنے کا مشورہ دیا۔ اتفاق سے ایک روز قبل میں نے علامہ صاحب سے ذکر کیا تھا کہ میں نے خواب میں یہ جگہ (جہاں آج حضرت کا مقبرہ مرجع خلائق ہے) دیکھی۔ غرض ردوکد کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ یہی جگہ بہتر رہے گی اورقبر شریف کی جگہ قطب نما رکھ کر صحیح سمت کا تعین کیا گیا۔ اتوار کا روز تھا کہ جسم میں سکرات کی علامت شروع ہوگئی تھیں۔ مولانا غلام علی اوکاڑوی اشرفی داہنی طرف، سیّدی کے منجھلے صاحبزادے حبیب ڈاکٹر ندیم افضل اشرفی کے ساتھ محوِ خدمت تھے اور میں علامہ صاحب کے ساتھ سرہانے بیٹھا تھا۔ سیّدی آنکھیں بند کئے ذکر میں مشغول تھے۔ سہ پہر کو سیّدی نے علمائے اہلسنّت کی سالاری اور تمام اہلسنّت والجماعت کے لاکھوں جانثاروں کو مفارقت سے نوازا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

رات بھر قبر شریف سخت جگہ کی وجہ سے کھودی جاتی رہے۔ دوسرے روز صبح پہلے آپ کا جنازہ دہلی دروازہ دارالعلوم حزب الاحناف کی سابقہ عمارت جہاں سیّدی نے اپنی زندگی اور معلّمی کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا بھیجا گیا پھر مینار پاکستان کے دامن میں ۵ لاکھ انسانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ علامہ رضوی اشرفی مدظلہٗ کے حکم کے مطابق اس فقیر نے جنازہ کی امامت کے فرائض انجام دیئے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ جنازہ پڑھانے پر کافی اختلاف تھا کہ علامہ کاظمی پڑھائیں یا فقیہ اعظم مولانا نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ یا علامہ غلام علی اوکاڑوی۔ غرض یہ بڑا جھگڑا

تھا کہ کون بڑا کون چھوٹا۔لیکن جب یہ اعلان ہوا کہ سیّدی کے پیر خانے سے ڈاکٹر سیّد محمد مظاہر اشرف جنازہ پڑھائیں گے تو تمام جھگڑا ختم ہوگیا۔بعد نماز جنازہ جلوس کاندھوں پر درود وسلام،کلمہ طیبہ اور رونے کراہنے کی مشترکہ آوازوں کے ساتھ گنج بخش روڈ موجودہ مقام مقررہ پہنچا۔پھر شام کو علامہ رضوی صاحب جو بہت زیادہ مضمحل تھے۔صوفی مسعود احمد صاحب،حبیب صاحب، میں اور دیگر علمائے کرام نے میّت کو قبر میں اتارا پھر آہستہ آہستہ وہ تمام تدفین کی رسومات ادا کی گئیں جس کے بعد پھر یہ علم وعمل کا پیکر آفتاب شریعت ماہتاب معرفت وحقیقت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہم سے روپوش ہوگیا اور آقا علیہ السلام کی یہ حدیث اس پہ ہوگئی۔

مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمُ

حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمیؒ

ملتان شریف، صوبہ پنجاب

موسم گرما کے دن تھے۔شاید مئی یا جون کا مہینہ تھا۔۱۹۵۷ء میں I.Sc. یعنی انٹر سائنس میڈیکل گروپ کا طالب علم تھا۔ اس وقت میری عمر ۱۹ سال تھی۔ میں نے سنا کہ حضرت علامہ کاظمی شاہ صاحب بہت اچھے خطیب اور مدلل تقریر کرنے والے خاص عالم دین ہیں، تو دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ حضرت کی زیارت کی جائے۔ میرے ماموں زاد بھائی علامہ مولوی شبیر احمد صاحب اشرفی جوان دونوں جامع مسجد فردوس، پاکستان کوارٹرنشتر روڈ، کراچی کے خطیب تھے،اور حضرت محدث اعظم ہند کچھوچھوی کے مرید تھے۔ان کی مسجد میں حضرت غزالی دوراں کا قیام تھا۔ اس وقت میری غلام سواری سائیکل میری بہت مددگار تھی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ نماز جمعہ جامع مسجد فردوس میں ادا کی جائے اور یقیناً حضرت وہاں نماز جمعہ پڑھائیں گے، خطبہ دیں گے تو زیارت سے مشرف ہوں گے۔علاوہ حضرت کی دیگر شہرۂ آفاق خصوصیات سے بھی کما حقہ آگاہی حاصل ہوگی۔

نوعمری اور وہ بھی کالج کی زندگی کے ایام جہاں ہر روز کسی نہ کسی قسم کا فنکشن، تقاریر ہوں گی، مقابلے، مناظرے سب ہی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے اور کالج کا طالب علم اس قابل ضرور ہوتا ہے کہ وہ اچھے خطیب اور صاحب علم کو پہچان سکے، پھر میرے کالج کے زمانے میں سردار عبدالرب نشتر صاحب پاکستان مسلم لیگ کے صدر بن چکے تھے۔ جن کی مسلم لیگ کے اکثر جلسوں، جلوسوں میں شرکت کرنا اور بھرپور طریقہ پر اپنے علاقے سے جلوس کی قیادت کرنا میرا مقبول مشغلہ تھا۔ نشتر صاحب بڑے زبردست سحر بیاں خطیب تھے۔ متقی تھے، ایماندار تھے، پاکباز تھے، بے لوث قوم کے خدمتگار تھے۔ یہاں یہ بتا تا چلوں کہ نشتر صاحب کے دور تک میں مسلم لیگ میں شامل رہا ان کے وصال کے بعد میں نے مسلم لیگ سے ظاہری ناطہ توڑ لیا، دل میں ضرورت محبت باقی ہے، کیونکہ قائداعظم محمد علی جناح سے بچپن سے والہانہ محبت تھی، ان کے فرمان کے مطابق جب تک مسلم لیگ مضبوط رہے گی پاکستان ترقی کرے گا، مستحکم ہوگا اور جس روز مسلم لیگ کمزور ہوگی ملک کمزور ہوگا اور جو ہوا۔ بہرحال یہ مختصراً تمہید اس لئے کرنی پڑی کہ حضرت غزالی دوراں کو دیکھنے سمجھنے کیلئے میں ایک بے خبر سا لڑکا نہیں تھا بلکہ مذکورہ بالا تحریر کے مطابق کچھ سوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ قبلہ والد صاحب اپنے زندگی کے آخری طویل پر سفر ہندوستان تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ والد صاحب کے آخری سفر کا تذکرہ اس لئے کیا کہ اس طویل سفر پر آپ ۱۸ ذی الحجہ کو ہندوستان تشریف لے گئے، اور ۲ ذی

الحجہ کو واپس گھر آئے۔

بہر حال والد صاحب قبلہ کی غیر موجودگی میں کچھ ذمہ داری کم ہوتی تھی، کیونکہ والدہ محترمہ تو ۵۵ء میں وصال فرما چکی تھیں۔ اس لئے اپنے مرضی سے کسی بھی مقام پر جا کر نماز جمعہ ادا کرسکتا تھا۔ والد صاحب کی موجودگی میں ان کے ساتھ میمن مسجد صدر بازار جہاں علامہ مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کی قیام گاہ تھی اور اب علامہ شاہ احمد نورانی دامت برکاتہم قیام فرما ہیں۔ اس مسجد میں جمعہ ادا کرنا ہوتا تھا اور والد صاحب سے بغیر پوچھے میں کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

میں نے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کئے اور سائیکل پر پاکستان کوارٹر چلا گیا۔ بھائی شبیر احمد صاحب کے گھر پر جو مسجد فردوس سے ملحق تھا پہلے حاضر ہوا اور سائیکل رکھ کر ان سے غزالی دوراں کے متعلق دریافت کیا۔ بھائی شبیر احمد صاحب کے ساتھ میں مسجد فردوس میں امام صاحب کے حجرہ میں جو ایک چھوٹے کوارٹر کی طرح تھا۔ یعنی اس میں اٹیچ باتھ وغیرہ تھا۔ داخل ہوا تو خادم نے بتایا کہ غسل فرما رہے ہیں۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت شاہ صاحب غسل جمعہ سے فارغ ہوکر باہر تشریف لائے اور بہت ہی محبت سے سلام کا جواب دے کر کمرہ میں داخل ہوئے تولیہ سے کان پوچھے سر پر تولیہ پھیرا اور پھر کپڑے تبدیل کیے۔ اس وقت حضرت کی داڑھی میں کافی بال سیاہ تھے۔ داڑھی میں پہلے ہلکا تیل لگایا، کنگھا کیا، پھر آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ عطر خس کپڑوں پر ملا، جس سے پورا کمرہ معطر ہوگیا۔ میں حضرت کی

تمام حرکات کو دل میں نوٹ کرتا رہا، اور دل میں قائل ہوتا رہا کہ اس قدر سادگی، بے ساختگی کسر نفسی، پر خلوص انداز گفتگو یہ یقیناً ایک بے لوث دین کے خدمتگار کی نشانی ہے۔ اتنے میں کھانا آیا تو حضرت نے سر پر ترکی پھندے والی ٹوپی رکھی اور پھر ایک مرتبہ اٹھ کر غسل خانہ میں جا کر ہاتھ دھوئے اور دستر خوان پر تشریف لائے۔ سنت نبوی کے مطابق قیام فرمایا، کھانے کے آداب جو کتابوں میں پڑھے تھے یا قبلہ والد صاحب سے سنے تھے، دیکھے تھے اس کے مطابق بیٹھے۔ روٹی توڑ کر سیدھے ہاتھ میں نوالہ لیا اور الٹے ہاتھ میں روٹی پکڑے رکھی، آہستہ آہستہ نیچی نگاہ سے خاموشی سے کھانا تناول فرماتے رہے۔ نہ معلوم منہ میں دانت پورے تھے یا نہیں، لیکن ہر نوالہ خوب چبا کر تناول فرماتے رہے۔ میں اور بھائی شبیر اور چند دیگر حضرات بھی اس کھانے میں شریک رہے۔ میں نے دیکھا کہ بھائی شبیر احمد حضرت سے بہت قریب تھے، اور کافی کھل کر بات کرتے تھے، تو اکثر جملہ مزاحاً بولتے تھے۔ یہ ان کی گفتگو کا خاصہ رہا ہے۔ یہ بہت پر مذاق انسان تھا۔ بھائی شبیر احمد کی مزاحیہ گفتگو پر حضرت مسکرا دیتے، لیکن کوئی جواب نہ دیتے۔ میں نے بغور دیکھا کہ آپ اپنی پلیٹ کے سوا کسی کی پلیٹ یا کسی کے کھانے کی طرف توجہ نہ دیتے تھے۔ جب کھانا ختم فرمایا تو تقریباً سب ہی فارغ ہو چکے تھے، تو حضرت نے اپنے ہاتھ داڑھی پر پھیرے، پھر اٹھ کر غسل خانہ جا کر ہاتھ دھوئے اور تولیہ سے پونچھ کر کمرہ میں تشریف لائے، پھر پان نوش فرمایا، اب گفتگو فرمائی، میرا تعارف ہوا بہت خوش اخلاقی سے

پیش آئے کمر تھپکی چند سائنسی سوال کیے، جن کا میں نے مثبت جواب دیا تو دعائے خیر فرمائی، اور فرمایا، ماشاء اللہ خوب یادداشت ہے۔ اتنے میں اذان ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ مسجد فردوس کافی بڑی مسجد ہے۔ کیونکہ شاید لوگوں کو معلوم تھا کہ آج غزالی دوراں نماز جمعہ پڑھائیں گے، خطبہ دیں گے، تقریر فرمائیں گے۔ حضرت نے جلدی جلدی بات کو پورا کیا، اپنی نشیلی آنکھوں کو ایک باریک کپڑے سے شاید گیلے کپڑے سے پونچھ کر پھر سرمہ لگایا کھڑے ہوکر سر پر پگڑی باندھی اور شیروانی زیب تن کی پھر ایک بار عطر خس استعمال فرمایا، یہ عطر بہت عمدہ تھا۔ سب کے دماغ معطر ہو گئے اور اب ہم سب صحن مسجد سے گزر کر مسجد کے بڑے ہال میں آئے اور اگلی صف میں جہاں خالی جگہ چھوڑی گئی تھی، بیٹھ گئے۔ میں کیونکہ اس وقت بہت دبلا پتلا تھا۔ اس لئے چھوٹی سی جگہ میں بیٹھ جاتا تھا۔

سنتوں کو ادا کر کے حضرت ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور ایک سناٹا چھا گیا۔ حضرت نے مختصر خطبہ پڑھ کر آیتہ یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا پڑھ کر تقریر فرمائی، جو مکمل ذہن میں ہے، لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ حضرت نے اس کا جو مفہوم سمجھایا تھا وہ یہ تھا کہ اس قرآن شریف کو پڑھ کر بہت سارے لوگ گمراہ ہونگے اور بہت سارے ہدایت پائیں گے۔ یعنی یہ قرآن بذات خود ہدایت کیلئے کافی نہیں ہے۔ حضرت کی تفسیر آج تک مجھے یاد ہے کہ فرمانے لگے اگر صرف قرآن ہدایت کیلئے کافی ہوتا تو پھر نبی کو بھیجنے اور قرآن سمجھانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ آپ نے

فرمایا، ہمیشہ جب بھی آسمانی کتاب آئی، اس کو پڑھانے، اس کو سمجھانے کیلئے اللہ کے نبی پہلے آئے، کتاب بعد میں آئی۔ لیکن حضرت کی تقریر کی جو خوبی مجھے نظر آئی وہ یہ کہ حضرت خود ہی سوال قائم کرتے، پھر اس کا خود ہی جواب عطاء فرماتے، مثلاً فرمایا، اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی کے سمجھانے اور ہمارے خود سمجھنے میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کو پہلے وحی کے ذریعہ یا باطنی طور پر اپنی کتاب کے تمام رموز حق سبحانہ وتعالیٰ خود سمجھا دیتا ہے، اور حقیقت میں جو کتاب لکھتا ہے یا کتاب تیار کرتا ہے۔ اس کی حقیقت مندرجات سے جس قدر وہ واقف ہوتا ہے دوسرا نہیں، اس لئے جب ربّ العالمین نے کتاب بھیجی، تو پہلے نبی کو سمجھا کر بتا کر بھیجا کہ اس کتاب میں یہ یہ کچھ ہے اور یہ یہ کچھ اس کا مطلب ہوگا، دوسرے نبی پہلے ان احکامات پر عمل پیرا خود ہوتا ہے، پھر دوسروں کو ہدایت کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کی اطاعت سے اپنی اطاعت کو مشروط کر دیا۔ یعنی نبی تو سب کچھ وہ ہی کرتا ہے، جو کچھ خالق عالم چاہتا ہے۔

اب اگر ہم خود قرآن پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں گے تو اس میں ہماری سمجھ کا قصور اور ہمارے علم کی کم مائیگی میں شامل ہو سکتی ہے، اور پھر اگر ہمارا قلب اطاعت رسول سے خالی ہوا تو سونے پر سہاگا، تو یقیناً ہم بھٹک جائیں گے۔ حضرت کی تقریر کو جو کچھ تھی وہ تو نقل نہیں کی جا سکتی، لیکن سمجھانے کا جو انداز تھا وہ اتنا پیارا تھا کہ سننے والا خوب سمجھ جاتا تھا، یہ میں نے تحت الشعور میں جو کچھ باقی تھا۔ اس کا کچھ حصہ لکھا

ہے انشاء اللہ کسی اور موقع پر تفصیل لکھوں گا، کیونکہ اس وقت میں بیرونِ ملک سفر پر ہوں، یہاں سے لکھ کر بھیجنا بڑا مشکل ہے اور یہاں کی مصروفیات وقت نہیں دیتیں۔ بہر حال یہ حضرت غزالی دوراں کی کرامت یا تصرف ہے کہ کچھ لکھ سکا ہوں۔ جمعہ کی نماز کے بعد مختصر ملاقات ہوئی اور پھر میں حضرت کی قدر ومنزلت کو جاں گزیں کر کے واپس گھر آیا اور غور کرتا رہا کہ واقعی حضرت ایک منجھے ہوئے خطیب ہیں۔

کیونکہ علامہ کاظمی شاہ صاحب اپنے انوکھے انداز خطابت کی وجہ سے بہت مقبول تھے تو روزانہ آپ کی تقاریر ہوتی رہیں۔ پھر ایک مرتبہ اور موقع ملا حضرت کی تقریر کا لیکن وہ تقریر لکھنے کا وقت نہیں۔ مضمون کو سمیٹنا ہے اور جلدی روانہ کرنا ہے تاکہ ماہ رمضان کے آستانہ میں طباعت ہو سکے، میں پھر انگلستان آ گیا اور اس طرح ایک طویل وقت بیت گیا۔ جب قبلہ والد صاحب کی مرض الموت کی خبر آئی تو بعجلت کراچی پہنچا۔ کچھ وقت والد صاحب کی خدمت کا ملا اس دوران ایک روز علامہ کاظمی شاہ صاحب کی تقریر بالکل ہمارے گھر سے متصل ہوئی۔ لیکن میں قبلہ والد صاحب کی خدمت میں رہا اور گھر پر ہی تقریر سنتا رہا۔ وہ تقریر آیت وعلم ادم الاسماء کلھا کی تفسیر پر تھی۔ یہ بھی تقریر الحمدللہ ذہن میں باقی ہے پھر کسی موقع پر تحریر کروں گا۔ اتفاق سے حضرت غزالی دوراں اس وقت کراچی ہی میں تھے اور تقریر اکثر کھڑے ہو کر کرتے تھے، ترکی ٹوپی کا پھندنا حضرت کی حرکت کے مطابق حرکت کرتا تھا۔ حضرت تقریر اس روانی سے فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے

سامنے کتاب کھلی ہے اور وہ پڑھا رہے ہیں تو اسی دوران قبلہ والد گرامی حضرت قطب ربانی شاہ سیّد محمد طاہر اشرف جیلانی قدس سرہ وصال فرما گئے۔ جب علامہ صاحب کو خبر ملی تو فوراً گھر تشریف لائے۔ قبلہ والد صاحب کی میّت کا دیدار کیا۔ والد صاحب کے چہرہ پر اس قدر مسکراہٹ تھی کہ دانت نکل آئے تھے۔ چہرہ بالکل زرد ہو گیا تھا تو علامہ کاظمی شاہ صاحب نے حدیث شریف پڑھی اور فرمایا کہ ہمارے آقا علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جس میّت کے چہرہ پر اس قدر مسکراہٹ ہو کہ دانت نظر آئیں اور چہرہ زرد ہو جائے تو وہ یقیناً جنّتی کی نشانی ہے۔ پھر رات بھر تمام شہر کے لوگ آ کر زیارت کرتے رہے اور صبح آٹھ بجے جنازہ ہوا تو حضرت غزالی دوراں علامہ سیّد سعید احمد شاہ کاظمی صابری علیہ الرحمہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ شاید اس لئے بھی ہوا کہ والد صاحب کو سلسلہ صابریہ سے نسبت تھی اور کاظمی شاہ صاحب بھی صابری تھے۔ پھر قبلہ والد صاحب کی میّت کے جلوس کے ساتھ ان کی آخری آرام گاہ تک تشریف لے گئے۔ دیگر علماء میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہٗ، ڈاکٹر علامہ فضل الرحمٰن انصاری، علامہ عبدالحامد بدایونی، مفتی محمد عمر نعیمی اشرفی، مفتی ظفر نعمانی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری اشرفی، صوفی فاروق رحمانی کے اسمائے گرامی خاص طور پر اہم ہیں۔ ورنہ دیگر علماء و صوفیاء کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔

بعد والد صاحب کی وفات، میں واپس انگلستان چلا گیا اور پھر جب واپسی ہوئی تو ایسا موقع نہ مل سکا کہ حضرت کی دوبارہ زیارت ہوتی۔ وقت گزرتا گیا جب

لاہور میں حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ سیّد ابوالبرکات سیّد احمد قادری اشرفی کا وصال ہوا تو میں نے حضرت علامہ سیّد محمود احمد رضوی اشرفی کے حکم کے مطابق نماز جنازہ پڑھائی تو اس نماز جنازہ میں جہاں فقیہ اعظم بصیر پوری، علامہ غلام علی اوکاڑوی اشرفی، شیخ الحدیث حضرت عبداللہ قصوری اشرفی اور پنجاب کے تمام علماء نے شرکت کی وہاں ملتان سے سفر فرما کر حضرت غزالی دوراں تشریف لائے تھے۔
جب سیّد ابوالبرکات قدس سرہ کے چہلم پر تشریف لائے تو خاص کر میرے کمرہ پر بہت شفقت سے تشریف لائے تو حضرت کی داڑھی بالکل سفید ہوچکی تھی۔ یہ ملاقات ایک نئے انداز میں ہوئی۔ میں اس وقت تقریباً ۴۰ سال کا ہوگیا تھا اور حضرت صاحب ۷۰ سال کے قریب تھے۔ مجھے بہت شفقت سے ملتان سنی کانفرنس کی دعوت دی جو میرے لئے ایک اعزاز تھا کہ اپنے وقت کے غزالی پورے پاکستان میں اس وقت ان سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔ وہ خود دعوت دینے تشریف لائے۔
بہرحال میں جب سنی کانفرنس میں شرکت کیلئے دارالعلوم انوارالعلوم پہنچا تو حضرت نے جس والہانہ انداز میں استقبال کیا وہ کبھی نہ بھولوں گا۔ ملتان سنی کانفرنس کا انتظام، اہتمام، منظم، مربوط طریقہ پر شاید پاکستان میں پہلی بار سنی اور سنیت کو جگانے کا یا سنیت کی اجتماعیت کا ایک ایسا انداز تھا تو شاید بعد میں دیکھنے میں نہ آسکا۔ یہ سب کچھ حضرت کی انتظامی صلاحیت کی عکاسی کرتا تھا۔
حضرت غزالی دوراں بے حد منکسر المزاج، شریف النفس، حلیم طبع، فقیری

میں شاہی کرنے والی شخصیت کے حامل انسان تھے۔ جب کوئی ان سے ملاقات کر لیتا تو وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ معمولات سلسلہ صابریہ کے سختی سے پابند تھے۔ صوفی عالم ہونا یہی ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ حضرت کے وصال کے وقت میں مدینہ شریف میں تھا اور وہیں حضرت کی رحلت کی جانکاہ خبر سنی اور مسجد نبوی میں سرکار کے روضۂ پر آپ کو ایصال ثواب کیا۔

اب شہزادگان ماشاء اللہ خوب اپنے والد صاحب کے مشن کو احسن طریقے پر آگے بڑھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس گھر کو اور گلشن غزالی دوراں کو اسی طرح مہکتا چہکتا رکھے اور تمام سنی اس چشمہ فیض سے سیراب ہوتے رہیں۔

وما توفیقی الا باللہ